

U:1008











وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا

الحمد لله والمنة که مجموعه تقریرات اعتراضات المشهوره دیک و در

# ساحه شاهجهان پور

که رئیس متکلمین خاسته نایب و نااموی محمد قاسم لکھنوی مجمع عام ایند و ایند  
و نشی اندرین پوری اسکاٹ و مفسر خیل و پوری نورس جهان و غیره  
در ۹۵ هجری نبوی صلی الله علیه و سلم بمقام شاهجهان پور کرده بودند

بمآه ستمبر ۱۲۹۵

بمطبع مجتبیائی واقع دہلی طبع گردید

SALAR JUNG ESTATE LIBRARY

(Oriental Section)

۹۸۱



وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا

الحمد لله والمنة له مجموعة تقررات اعتراضات المشهوره دیک دور

# ساحه شاهجهان پور

که رئیس تکلین جناب سید بابو نالوی محمد قاسم لکھنؤی مجمع عام بانیان  
و نشی اندرون پوری اسکاٹ مفسر خیال و پوری نورس جان و غیره  
در ۹۵ هجری نبوی صلی الله علیه وسلم بمقام شاهجهان پور کرده بودند

بماباه ستمبر ۱۲۹۵

بمطبع مجتبیائی واقع دہلی طبع گردید

SALAR JUNG ESTATE LIBRARY  
(Oriental Section)

۹۸۱

۱۹۶۲

۱۹۶۲

۸۸۰

۹۸۱۴

# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

گر دلیلت باید ازوے و متاب

آفتاب آمد دلیل آفتاب

یا اللہ تیری ذات پاک سب پر محیط اور سب پر غالب۔ سب تیرے جویاں اور سب تیرے طالب  
لیکن تیری معرفت وہم کی رسائی سے اک خیال کی مجال سے پرے۔ قیاس کی وسعت سے  
باہر ہے۔ اس لئے تیرے سچے رسولؐ نے وہی خداؤں کی بندگی سے دُنیا کو چھڑایا۔ اور جو  
قدرتی اصول تو نے ہر انسان کے دل میں کھ دیئے ہیں انکو شکستہ کیا۔ تیرے کلام پاک نے  
ایمان بالغیب کی تعلیم دی اور تیری جانب جوع کرنے کا ایسا طریقہ سکھایا جو فی الحقیقت ہماری  
بندگی اور تیری خدائی ہمارے نقص اور تیرے کمال کے لئے شایان ہے۔

یا اللہ تیرا رب ہے پچھلا مگر رب ہے افضل رسولؐ جو تیرے مقدس کلام سے گویا ہوا اور جس نے تیری  
روشن ہدایت سے عقل کو نور دل کو سرور بخشا اُس نے ایسا علم اور ایسی سبقم راہ نسل انسان کو  
بتائی ہے کہ جو انسان کے حق میں کامل رحمت اور اعلیٰ نعمت ہے صلے اللہ علیہ وآلہ وصحابہ  
اجمعین۔ لیکن طلب صادق اور شوق کامل درکار ہے۔ اب بھی نابینا رسولؐ اور علمدار  
فحول ایسے موجود ہیں جن کا بیان منشاء الہی کی تفسیر اور علم انبیاء علیہم السلام کی تشریح ہے  
اور اُس سے سامعین کے دل کو تشفی اور پڑھنے والوں کے قلب کو کامل خوشی حاصل

ہو سکتی ہے۔ چنانچہ میلہ خدائشناسی واقع شاہجہانپور میں جو علماء اسلام و ہنود و عیسائیوں کا مباحثہ ہوا اُس کی کیفیت ناچیز کترین انام فخر الحسن نام اہل نظر کے روبرو پیش کرتا ہے :

### وہو ہذا

**صاحبو !** اس جلسہ کے بانی مہاشی پیلے لال کبیڑ پتھی ساکن چاندپور ضلع تحصیل شاہجہانپور ہیں۔ ذی مقدور اور صاحب جائد و شخص ہیں۔ پادری نولس صاحبٹ پار سال تک مشن اسکول شاہجہانپور کے ماسٹر ہے۔ اور اب کانپور کو بدل گئے ہیں۔ جب شاہجہانپور کے دیہات کا دورہ کیا کرتے تو چاندپور میں بھی اکثر وعظ کرتے۔ اور مہاشی پیلے لال اُن کے لکچر کو بگوش دل سنتے۔ رفتہ رفتہ پادری صاحب نے اپنی توجہ اُن پر ڈالی اور اُنس دتپاک پیدا کیا۔ اور پھر آپ جانتے ہیں کہ اول تو پادری صاحب اور پھر وہ بھی یرین پس ان کے خلق کی بو اور صحبت کی حرارت پوستی کی آنچ تو تھی نہیں جو خالی جاتی۔ تپ دق کی طرح اعضائے باطنی و اعلیٰ تک پہنچ گئی۔ اور پھر یہ بھی ہوا کہ پادری صاحب کی ملاقات سے اُن کی عزت اور توقیر بھی بڑھ گئی۔ جب اُن کے خیر خواہوں نے دیکھا کہ مہاشی صاحب اپنی حالت دیرینہ کی طرح اپنے آبائی عقیدہ کو بھی پارینہ سمجھنے لگے تو اُنہوں نے یہ صلاح دی کہ اپنی مملو کہ زمین اور باغات موضع سر بانگ پور ملحق سوانہ چاندپور میں بلب دیائے گرا ایک میلہ خدائشناسی مقرر کرو اور اُس میں علمائے مذاہب مختلفہ کا مناظرہ ہو اور طرح طرح کی مخلوق دور اور نزدیک کی جمع ہو جس سے تحقیق مذہب بھی ہو جائے گی اور اس میلہ سے کچھ اور بھی فائدے کی صورت ہوگی۔ چنانچہ اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ کہ مسٹر رابرٹ جارج گری صاحب بہادر کلکٹر مجسٹریٹ شاہجہانپور سے اجازت حاصل کر کے پار سال ۱۸۸۱ء میں عین شباب گرمی میں یہ میلہ منعقد کیا۔ جس میں مدعی مذہب عیسائی پادری نولس صاحب سب کے سرغنہ تھے۔ اور اہل اسلام کی طرف سے مولوی محمد قاسم صاحب اور مولوی سید ابوالمنصور صاحب۔ پس اس جلسہ کا نتیجہ تو سب پر ظاہر ہی

ہو گیا تھا کہ مولوی محمد قاسم صاحب کی نیلی لنگی کے نام سے فتح کا پھریرہ سائے عالم میں مشہور ہو گیا۔ اور کتاب کیفیت واقعی اس جلسہ کی مطبع ضیائی میں چھپی جس کا تاریخی نام **گفتگوئے مذہبی** ہے اور قیمت اُس کی علاوہ محصول ڈاک کے تین آنے ہی۔ غرض جب پارسال کے جلسے سے اس فوج کے عام و خاص لوگوں کے دلوں پر کیا وہ لوگ جو جلسہ میں موجود تھے اور کیا وہ جن کو راوی صحیح ملے یہ اثر پیدا ہوا کہ مسلمانوں کے قلوب میں تو مولوی محمد قاسم صاحب کی روشن تقریروں نے نور ایمان کو جلا دیدی اور منشی پیارے لال کی بھی آنکھیں کھل گئیں کہ جس طرف اُن کی ٹکنکی لگی ہوئی تھی اُدھر سیاہی جھلکتی نظر آنے لگی۔ اور عام ہنود کی یہ کیفیت ہوئی کہ جس گلی کو چہ میں مولوی صاحب نکلتے تھے اشارہ کر کے یہ لوگ کہتے تھے کہ یہ وہ مولوی ہے جو جس نے پادریوں کو بند کر دیا تھا اور پھسلتے کو تھام لیا تھا۔ اور مولوی کیا ہے اتنا رہے تو بس اُس جلسے کے لطف نے ایسا خدا شناسی کا شایق بنایا کہ یہ میلہ ہر سال کے واسطے موسم بہار میں مقرر ہوا چنانچہ اب کے ۱۹ و ۲۰ مارچ کو اسکا انعقاد تجویز ہو کر منشی پیارے لال نے اشتہار جا بجا بھیجے اور جو عالم پارسال شریک جلسہ ہوئے تھے اُن کو بھی اور سوائے اُنکے اور مشہور عالموں کو اشتہار و خطوط بھیجا **مطلع** دی اخباروں میں بھی اشتہار چھپوایا۔ اور علاوہ اسکے یہ بھی شہرت ہوئی کہ اب کے بڑے بڑے نامی گرامی پنڈت و پادری وہاں آئینگے۔ اور اس شہرت نے یہ اثر کیا کہ مولوی محمد قاسم اور مولوی ابوالمنصور صاحب نے اس وجہ سے کہ تہیستی میں یہ مفت کی زیر باری اُد بے فائدہ تضيیع اوقات ہے ارادہ جانے کا نہیں کیا تھا مگر صرف اس خیال و شہرت سے کہ یہ مجمع بڑے بڑے بیدانیتوں اور مشاہیر کا ہوگا مبادا ہمارے نہ جانے کو لوگ طع دینا سمجھیں تو کل علی اللہ یہ دونوں صاحب اور دس بارہ اور بھی انکے ساتھ کچھ شوقین کچھ مناظرین دلی سے روانہ شاہجہان ہوئے۔ ۱۶ مارچ کو یہ سب صاحب تین بجے شاہجہانپور میں ریل سے اترے۔ اور مولوی حفیظ اللہ خان صاحب تقبال

کے واسطے ریل پر کھڑے تھے۔ سب کو مولانا عبدالغفور صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکان پر لیکے اور وہ ہمان نوازی کی کر کیا کیے۔ ۱۸۔ کو آرام کیا جلے کے اوقات کی نسبت یہ بات معلوم ہوئی کہ دونوں تاریخوں مذکورہ بالا میں صبح کے ساڑھے ساڑھے سے گیارہ بجے تک اور ایک بجے سے چار بجے تک گفتگو ہوگی۔ ۱۹۔ مارچ کو مناظرین اہل اسلام آخرت سے اٹھ کر اہی میدان مباحثہ ہوئے جوشاہجاپور سے چھ سات کوس کے فاصلے پر تھا اور سب صاحب سوار مولوی محمد قاسم صاحب پیادہ پا طلوع آفتاب کے کچھ بعد جا پہنچے۔ مولوی محمد قاسم صاحب نے مذی پر استنبی سے فراغت حاصل کر کے وضو کیا اور نوافل ادا کیے اور نہایت خشوع و خضوع سے دُعائیں مانگی۔ غالباً وہ اعلیٰ کلمۃ اللہ کیلئے ہوگی۔ کیونکہ مولوی صاحب دلی سے برابر یہی ہر شخص سے فرماتے آتے تھے کہ اُس بے نیاز سے دُعا کرو کہ کلمہ حق غالب آئے۔ الغرض میدان مباحثہ کو دیکھا تو چند خیمے استادہ ہیں مگر پادری صاحبوں کی پتہ نہیں۔ حیران ہوئے کہ وقت مباحثہ تو قریب آیا اور بحث کرنیوالا کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ خیر اہل اسلام تو اُس خیمہ کے متصل جو خاص مسلمانوں کے لئے نصب ہوا تھا دختروں کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ اتنے میں موتی میاں صاحب زیری مجسٹریٹ تشریف لائے اور صاحب سلامت کر کے انتظام میلہ میں مصروف ہوئے جب ۹ بجے ہونگے تب ایک دو پادری چلتے پھرتے نظر آئے تھے۔ غرض ساڑھے سات بجے کی جگہ دس بجے اُس خیمہ میں لوگ جمع ہوئے جو مناظرہ کیلئے استادہ ہوا تھا۔ اول تو یہ مشورہ ہوا کہ تینوں فریق میں سے چند اشخاص منتخب ہو کر علیحدہ ہو بیٹھیں اور پہلے شرائط مباحثہ تجویز کر لیں بعد اسکے گفتگو شروع ہو۔ اہل اسلام میں سے مولوی محمد قاسم صاحب اور مولوی عبدالحمید صاحب پادیوں میں سے پادری نولس صاحب اور پادری داگر صاحب اور ہنود میں یوینڈت دیانند صاحب سستی اور منشی اندرمن صاحب منتخب ہوئے اور موتی میاں صاحب مہتمم جلسہ بھی شریک ہوئے۔ پادری نولس صاحب نے کہا کہ ہر ایک شخص کے دریں سوال



جواب کے واسطے ۵ منٹ کی مدت مقرر ہوا سپر علماء اہل اسلام نے کہا کہ ۵ منٹ تھوڑے ہیں اس میں کیا خاک فضائل مذہب اعتراض و جواب بیان ہو سکتے ہیں ہماری رائے میں دو صورتوں میں سے ایک اختیار کرنی چاہئے یا تو یہ کہ مباحثہ تین دن تک اس طور سے ہے کہ ایک روز ایک مذہب والا اپنے دین کے فضائل گھنٹہ دو گھنٹہ بیان کرے اور پھر اس پر دوسرے مذہب والے اعتراض کریں جواب نہیں دیا یہ ہونا چاہئے کہ درس کے لئے تو کم از کم ایک گھنٹہ اور زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے مقرر ہوں اور سوال و جواب کے لئے دس منٹ سے بیس منٹ تک۔ سو پادری صاحبوں نے ان دونوں میں سے ایک کو بھی منظور نہ کیا۔ ہر چند ان کو کہا گیا کہ صاحب ۵ منٹ میں تو کچھ بھی بیان نہیں ہو سکتا دنیوی جھگڑے جو فروع سمجھے جاتے ہیں ان میں ہفتوں پنچایت و بحث ہوتی ہے۔ یہ تحقیق مذہب ۵ منٹ میں کیسے ہو سکتی ہے۔ اور ہم لوگ بھی تو اس جلسہ کے ایک رکن ہیں ہماری رائے کی رعایت بھی تو ضرور ہے۔ باوجود ہر طرح کی فہمائش کے پادری صاحبوں نے ایک سنی۔ اور پادری صاحب یہ چال چلے کہ منشی پیاسے لال اور مکتا پر شاہ کو بھی رکن شوری قرار دیا اور یہ کہا کہ یہ بانی مہمانی میلہ ہیں انکی رائے بھی یعنی ضرور ہی اور وہ بوجہ توافق پنہانی اور نیز پندت صاحب بھی انکی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ اس طور پر پادری صاحب کو یہ عمدہ بہانہ ہاتھ آیا کہ کثرت آرا کا اعتبار چاہئے۔ سب پادریوں کو خیمہ میں بلالیا اور کسا کہ اعتبار کثرت آرا کا چاہئے۔ غرض جس بات کو پادری نولس صاحب کہتے تھے حضرات ہنود بھی ہاں میں ہاں ملا دیتے اور تسلیم کرتے تھے۔ ناچار مولوی صاحب یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ آپ لوگوں کی جو رائے میں آتا ہے وہی کرتے ہیں ہم سے مشورہ کرنا فضول ہے۔ تین گھنٹے سے ہم مغر مار رہے ہیں آپ ایک نہیں سنتے۔ اب جو آپ کی رائے میں آئے سو کیجئے ہم ہر طرح گفتگو کرنے کو موجود ہیں چاہے ۵ منٹ مقرر کیجئے خواہ اس سے بھی کم۔ مولوی صاحب جب اپنے خیمہ میں تشریف لے آئے تو منشی پیاسے لال نے چاہا کہ موتی میاں

صاحب کے کچھ مشورہ کریں۔ موتی میاں صاحب نے ترش رو ہو کر فرمایا کہ میں آئندہ سال شریک جلسہ ہونگا اسکے کیا معنی کہ مسلمان جو کہتے ہیں اُنکے کہنے پر تو التفات بھی نہیں کرتے اور پادری صاحبوں کے کہنے پر بے سوچے سمجھے ہاتھ اٹھا کر تسلیم کر لیتے ہو۔ یہ بات بالکل سازش اور اتفاق باہمی پر دلالت کرتی ہے اس کے بعد منشی پیاسے لال مولوی محمد قاسم صاحب کے پاس آئے اور عذر معذرت کرنے لگے کہ میں مجبور ہوں پادری صاحب میری بھی نہیں سنتے البتہ آپ مجھ کو توقع ہو کہ آپ میری عرض قبول فرمائیں گے۔ اسپر مولوی صاحب نے فرمایا کہ خیر صاحب ہم کو تو ناچار قبول کرنا ہی پڑے گا۔ البتہ آپ کے یہ شکایت ہے کہ آپ بانی جلسہ ہو کر عیسائیوں کی طرف ذرا کرتے ہیں۔ آپ کو سب کی رعایت برابر کرنی چاہئے۔ منشی پیاسے لال نے پھر عذر کیا اور مولانا کا بہت کچھ شکریہ ادا کیا کہ آپ صاحب تو سب کچھ قبول کر لیتے ہیں پادری صاحب بڑے ہٹ دھرم ہیں کہ کسی کی نہیں سنتے اگر اُنکے خلاف کیا جاوے تو چلے جانے کا اندیشہ ہے۔ اسی اثنا میں مولانا نے یہ بھی فرمایا کہ منشی صاحب خیر یہ توجہ ہوا سو ہوا لیکن آپ اتنا کیجئے اور پادری صاحب کہتے کہ آج کا نصف دن تو اسی جھگڑے میں ختم ہو گیا اسکے عوض میں یہ کرنا چاہئے کہ ایک روز مباحثہ کیلئے اور بڑھایا جاوے اور دو کی جگہ تین دن مقرر ہوں۔ دوسرے کہ وعظ کیلئے ۳۰ منٹ مقرر ہوں۔ منشی پیاسے لال نے اسکو تو خود تسلیم کر لیا اور پادریوں کی طرف سے یہ جواب لائے کہ پادری نولس صاحب کہتے ہیں کہ یہ دونوں امر تم کو منظور نہیں مگر میرے قیام کے لئے اگر کوئی امر مانع ہوا تو پادری اسکاٹ صاحب جو آج آئیوے ہیں تمہارے روز بھی ٹھیر گئے وہ آپ سے گفتگو کریں گے۔ اسکے بعد اہل اسلام نے کھانا کھایا اور ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر سنا کہ لوگ اب خیمہ مباحثہ میں جانیوے ہیں مناظرین اہل اسلام اُس خیمہ میں داخل ہوئے۔ حضرات ہنود کے آنے میں کچھ دیر تھی اور اُن کے آنے سے پہلے تمام شامیانہ آدمیوں سے بھگیا تھا۔ مناظرین اہل ہنود کے انتظار میں جو وقت گذرا۔ اُس میں مولوی محمد قاسم صاحب نے

پادری نولس صاحب مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ نے ہمارے بار بار کہنے سے بھی افزائش وقت کو تو تسلیم نہ کیا خیر اس کو قبول کیجئے کہ بعد اختتام وقت جلسہ کے یعنی چار بجے کے بعد کل ہم ایک گھنٹہ وعظ کہیں گے آپ بھی اُس محل میں شریک ہوں۔ اور بعد ختم وعظ کے اعتراض کرنے کا بھی اختیار ہے۔ بلکہ جس صاحب کے دل میں آئے وہ اعتراض کریں ہم جواب دینگے۔ پادری صاحب نے کہا کہ اگر ہم بھی اس طرح خارج وقت میں درس دیں گے تو تم بھی سنو گے۔ مولانا نے فرمایا ضرور ہم لوگ بھی شریک ہونگے بشرطیکہ اعتراض کرنے کے مجاز ہوں پادری صاحب نے کہا تو اچھا ہم بھی شریک ہونگے۔ اسی اثنا میں حضرات ہندو بھی آگئے اور اس باب میں گفتگو ہوئی کہ پہلے کیا مضمون بیان ہوگا۔ باتفاق اسے یہ بات قرار پائی کہ پہلے خدا کی ذات و صفات کا بیان ہو۔ اتنے میں منشی پیارے لال بانی سبانی جلسہ نے ایک کاغذ اُردو لکھا ہوا پیش کیا کہ یہ پانچ سوال ہماری طرف سے پیش ہوتے ہیں ان کا جواب پہلے دینا چاہئے اور وہ سوال یہ تھے کہ :-

سوال اوّل - دُنیا کو ہمیشہ نے کس چیز سے بنایا اور کس وقت اور کس واسطے ؟

سوال دوم - ہمیشہ کی ذات محیط کُل ہے یا نہیں ؟

سوال سوم - ہمیشہ عادل ہے اور رحیم ہے دونوں کس طرح ہے ؟

سوال چہارم - وید اور بائبل اور قرآن کے کلام الہی ہونے میں کیا دلیل ہے ؟

سوال پنجم - نجات کیا چیز ہے اور کس طرح حاصل ہو سکتی ہے ؟

اہل جلسہ نے ان سوالوں کے جواب دینے کو قبول کیا لیکن انہوہ شائقین اس قدر ہو گیا تھا کہ شامیانے میں بیٹھنے کی جگہ بھی نہ کھڑے ہونے کی۔ اسلئے یہاں سے جلسہ پھر اکٹھا اور شامیانے سے باہر میدان میں فرش ہوا۔ بیچ میں میز بچھائی گئی اور اس کے متصل ایک تخت جس پر دواعظ خواہ معترض یا مجیب کھڑا ہو کر تقریر کرے۔ اور گرداگرد کرسیاں اور صندلیاں بچھائی گئیں۔ کرسیوں پر علماء اہل اسلام اور پادری لوگ اور پنڈت اور منتظم جلسہ اور تحریر

سوالات از طرف بانی جلسہ

کرنے والے بیٹھے۔ باقی سب فرش پر اور فرش کے گرد عام لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ  
 کھڑے ہوئے۔ جب مجلس جم گئی تو اس میں گفتگو ہوئی کہ پہلے کون ان سوالوں کے جواب  
 دینے شروع کرے گا۔ پنڈت صاحبوں سے کہا گیا کہ محفل شوری میں آپ کہہ چکے ہیں کہ  
 آج ہم درس دیں گے سو آپ بیان کریں۔ انہوں نے پہلوتی کی۔ پادری نولس صاحب  
 اُن سے اصرار کر چکے تو مولوی محمد قاسم صاحب کی طرف متوجہ ہوئے۔ مولانا نے  
 فرمایا کہ ہمیں کچھ عذر نہیں۔ مگر انصاف مقتضی اسی کا تھا کہ سب کے بعد ہم بیان کرتے  
 کیونکہ دین بھی ہمارا سب سے پچھلا ہے۔ اس پر پادری صاحب نے پنڈت دیانند سرتی  
 صاحب سے کہا کہ آپ کیوں نہیں کہتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ چھائیں کتنا ہوں مگر  
 جب اور سب بیان کر چکیں گے تو پھر میں بیان کر دوں گا ورنہ میرا بیان سب سے ماضی پڑ جائیگا۔  
 غرض اسی رد و کد میں چانسج گئے تو پادری صاحب نے مولوی صاحب سے کہا کہ اچھا مولوی  
 صاحب آپ اپنا وعظ کل کی جگہ آج ہی کھڈالنے کیلئے پنڈت صاحب ان سوالوں کا  
 جواب دیں گے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ بہت اچھا مجھے تو سوالوں کے جواب دینے  
 میں آج بھی عذر نہیں آپ خود ہی ایک دس کے پر حوالہ کرتے ہیں اور نہ کوئی وعظ کی  
 حامی بھرتا ہے نہ جوابوں کی۔ خیر اب سب صاحب ذرا توقف کریں ہم نماز عصر پڑھ  
 لیں آج وعظ کی ابتدا ہم ہی کرتے ہیں اور کل جواب بھی پہلے ہم ہی دیں گے۔  
 اور جس صاحب کے جی میں آئے وہ اعتراض کریں۔ یہ کہہ کر مولانا نماز پڑھ آئے  
 اور کھڑے ہو کر ایسا زور و شور کا وعظ کیا کہ تمام جلسہ حیران رہ گیا۔ اور ہر شخص پر ایک  
 سکتے کا عالم تھا۔ اُس وعظ کی تقریر یہ ہے :-

## بسم اللہ الرحمن الرحیم

### وعظ

اے حاضران جلسہ - یہ کمترین بغض خیر خواہی کچھ عرض کیا چاہتا ہے۔ صاحب  
 بگوش ہوش بنیں۔ میری یہ گزارش بہ نظر خیر خواہی دُنیا نہیں بلحاظ خیر اندیشی دین و آخرت  
 ہے۔ غرض اصلی میری یہ ہے کہ وہ عقائد و احکام جن کو عقاید دینی اور احکام خداوندی  
 سمجھتا ہوں۔ سب حاضران جلسہ کو بالاجمال سناؤں اور اس لحاظ سے مجھ کو یہ وہم ہے  
 کہ شاید حاضران جلسہ میری بدافعالی اور خستہ حالی پر نظر کر کے میری گزارش پر کچھ دل  
 نہ لگائیں اور دل میں یہ فرمائیں کہ خود را فضیحت و دیگران را نصیحت مگر اہل عقل خود جانتے  
 ہونگے کہ طبیب کا بد پرہیز ہونا مریض کو مضر نہیں سیطرح اگر میں خود اپنے کلمے پر عمل نہ  
 کروں اور دوسروں کو سمجھاؤں تو دوسروں کو کیا نقصان ہے۔ جو میری گزارش کو قبول  
 نہ فرمائیں۔ علیٰ ہذا القیاس منادی کرنیوالے کا بھنگی ہونا احکام دنیا کے احکام قبول کرنے  
 اور تسلیم کرنے کو مانع نہیں۔ اسکو کوئی نہیں دیکھتا کہ سنانے والا بھنگی ہے۔ غریب ہوں یا  
 امیر عام لوگ ہوں یا نواب۔ بھنگی کی زبان سے احکام بادشاہی سُکر سر نیا زخم کر دیتے  
 ہیں۔ جب حکام دُنیا احکام کی اطاعت میں یہ حال ہے تو احکام الحاکمین خداوند رب العالمین کے  
 احکام کی اطاعت میں بھی میری خستہ حالی پر نظر نہ کیجئے۔ اس سے بھی کیا کم کہ مجھ کو بھی  
 بمنزلہ ایک بھنگی کے سمجھیے۔ غرض مجھ کو نہ دیکھئے اسکو دیکھئے کہ میں کسکے احکام سناؤں  
 اور کس کی عظمت اور شان سے مطلع کرتا ہوں۔ وہ بات جو سب میں اول لایق توجہ اطلاع  
 ہے اپنے وجود کی کیفیت ہے۔ کون نہیں جانتا کہ سب میں اول آدمی کو اپنی ہی اطلاع موقی

ہے۔ اور سو اپنے جس چیز کو جانتا ہے اپنے بعد جانتا ہے۔ اسلئے سب میں اول لائق توجہ تام اور دربارہ علم قابل اہتمام بھی اپنے ہی وجود کی کیفیت ہے۔ مگر اپنے وجود کی کیفیت یہ ہے کہ دائم و قائم نہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہم پردہ عدم میں مستور تھے اور اُس کے بعد یہ زمانہ آیا کہ ہم موجود کھلائے اور طرح طرح کے آثار وجود ہم سے ظہور میں آئے اور پھر اُس کے بعد ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ یہ ہمارا وجود پھر ہم سے مثل سابق علیحدہ ہو جائے گا اور ہمارا ذکر جانے دو ہم سے پہلے اور ہمارے سامنے کس قدر محدود بنی آدم وغیرہم وجود میں آکر معدوم ہو گئے۔ غرض زمانہ وجود بنی آدم وغیرہم دو عددوں کے بیچ میں ایک زمانہ محدود ہے۔ اس انفصال و اتصال و آمد و شد وجود سے یہ نمایاں ہے کہ ہمارا وجود مثل نور زمین جس کو دھوپ یا چاندنی کہتے ہیں اور مثل حرارت آب گرم صفت خانہ زاد نہیں بلکہ عطائے غیر ہے لیکن جیسے نور زمین اور حرارت آب گرم کا سلسلہ آفتاب اور آتش پر ختم ہو جاتا ہے اسلئے نسبت آفتاب و آتش کوئی شخص یہ خیال نہیں کر سکتا کہ عالم اسباب میں آفتاب آتش میں کسی اور کا فیض ہے بلکہ ہر شخص ہی خیال کرتا ہے کہ آفتاب آتش میں نور و حرارت خانہ زاد ہے اور اسلئے ہر حال میں نور و حرارت آفتاب آتش کو لازم و ملازم رہتے ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا ہے کہ مثل نور زمین و حرارت آب آفتاب آتش سے بھی نور و حرارت منفصل ہو جائے ایسے ہی یہ بھی ضرور ہے بلکہ اُس سے بھی زیادہ ضرور ہے کہ ہمارے تمہارے وجود کا سلسلہ کسی ایسے موجود پر ختم ہو جائے جس کا وجود اُس کے ساتھ ہر دم لازم و ملازم رہے اور اُس کا وجود اُس کے حق میں خانہ زاد ہو۔ عطائے غیر نہ ہو۔ ہم اُسی کو خدا کہتے ہیں اور اسی لئے کہتے ہیں کہ اُس کا وجود عطائے غیر نہیں خود اُسی کا ہے۔ جب ہماری نسبت بوجہ ناپائیداری وجود خدا کا ہونا ضرور ہی ٹھیرا تو اب ان اشیاء کی نسبت بھی اس بات کا دریافت کرنا ضروری ہو چکا کہ وجود بظاہر نظر پائیدار نظر آتا ہے جیسے زمین و آسمان۔ دریائے شور۔ ہوا۔ چاند و سورج۔ ستارے۔

کہ نہ کسی نے ان کا عدم سابق دیکھا اور نہ اب تک عدم لاحق ہونے کی انکو قوت آئی۔ اس لئے یہ گذارش ہے کہ زمین و آسمان وغیرہ اشیا مذکورہ کو ہم دیکھتے ہیں کہ مثل اشیا زنا پائدار نہیں بھی دو دو باتیں ہیں ایک تو یہی وجود اور ہستی جو تمام اشیا میں مشترک معلوم ہوتا ہے دوسرے وہ بات جس سے ایک دوسرے سے تمیز ہے اور جن کے وسیلے سے ایک کو دوسرے سے پہچان لیتے ہیں اور دیکھتے ہی سمجھ لیتے ہیں کہ یہ فلانی چیز ہے اس چیز کو ہم حقیقت کہتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ وجود اور حقیقت دونوں باہم ایسا رابطہ نہیں کہتے کہ ایک دوسرے سے جدا ہی نہ ہو سکے اور مثل اشیا اور زوجیت یعنی دو اور وحدت ہونے کی ایک دوسرے کے ساتھ ایسا مربوط اور متلازم نہیں کہ ایک دوسرے کا کسی طرح چھچھا ہی نہ چھوڑے۔ عدد اشیا سے اسکی زوجیت نہ خارج میں اس سے جدی ہو اور نہ ذہن میں علیحدہ ہو علیٰ اقلیٰ از زوجیت سے عدد اشیا علیحدہ نہیں ہوتا۔ چار اور چھ اور آٹھ وغیرہ اعداد میں بھی اگر زوجیت پائی جاتی ہے تو اسی دو کے عدد کی بدولت پائی جاتی ہے جو اس کی یہ ہے کہ زوجیت کے معنی یہی ہیں کہ دو ٹکڑے صحیح بلا کسر برابر نکل آئیں۔ اور ظاہر ہو کہ یہ بات یعنی دو ٹکڑوں کا برابر نکل آنا اس پر موقوف ہو کہ عدد مفروض چند اشیا یعنی چند دو کا مجموعہ ہو غرض اشیا اور زوجیت میں طرفین سے تلازم ہے نہ یہ اس سے جدا ہو سکے نہ وہ اس سے علیحدہ ہو سکے نہ ذہن میں خارج میں اور ظاہر ہو کہ اس قسم کا ارتباط اشیا مذکورہ کے وجود اور انکے حقایق میں ہرگز نہیں یہ نہیں کہ جسے اشیا اور زوجیت کی جدائی کسی کی عقل میں نہیں آسکتی ایسے ہی اشیا مذکورہ کے وجود اور حقایق کی جدائی کسی کی عقل میں نہ آسکے چنانچہ ظاہر ہے کہ آسمان و زمین کا معدوم ہو جانا عقل میں آسکتا ہے ہاں خود وجود اور اس ذات کا معدوم ہونا جو صفت کے وجود کے حق میں ایسی ہو جیسے زوجیت کے حق میں اشیا۔ البتہ عقل میں نہیں آسکتا کون نہیں جانتا کہ جو کا معدوم ہو جانا ایسا ہے جیسا خود نور کا نور ہو کر کالا سیاہ ہو جانا اندھیرا بن جانا اور جب وجود قابل عدم نہیں تو پھر وہ ذات جو وجود کی بھی اصل ہے اور وجود اس کے حق میں خانہ زاد ہے۔

کیونکہ معدوم ہو سکے۔ الحاصل وجود زمین و آسمان اُن کے حقایق سے علیحدہ ہیں اور اس لئے یوں نہیں کہہ سکتے کہ اُن کا وجود اُن کا خاند زاد ہو۔ اور جب خاند زاد نہیں تو پھر بے شک عطائے غیر ہوگی اور قبل عطا اُن کا معدوم ہونا ثابت ہوگا جس سے اُن کے وجود کے لئے ایک ابتدائے نکل آئیگی۔ اور اُن کی قدامت باطل ہو جائیگی گو وہ ابتداء تمام بنی آدم کے موجود ہونے سے سابق ہو اور اس لئے اپنے آپ ہم میں سے کسی کو اسکی اطلاع نہ ہوئی ہو اور اسبطح اُنکا پھر معدوم ہو جانا ممکن ہوگا کیونکہ جب وجود اشیا مذکورہ مثل نور زمین و حرارت آب گرم عطار غیر ہوگا تو مثل نور زمین و حرارت آب اُنکا پھر جدا ہو جانا بھی ممکن ہوگا مگر جب وجود اشیا مذکورہ بھی عطار غیر نکلا تو بیشک حسب بیان سابق اُس غیر کا وجود جسکی یہ عطار ہی اُسکا خاند زاد ہوگا اور اس لئے اُسکا وجود اُس سے بھی کبھی نہ علیحدہ تھا نہ آئندہ علیحدہ ہو۔ غرض ہمیشہ سے اُس کا وجود تھا اور ہمیشہ تک ہیگا۔ اب یہ بات دیکھنی باقی رہی کہ اس قسم کا موجود جسکا وجود اُسکا خاند زاد ہو ایک ہی ہے یا متعدد ہیں۔ اور ایک ہی تو اس سے زیادہ ممکن ہے یا محال ہے اس لئے یہ گزارش ہے کہ جیسے سیاہی۔ سفیدی۔ انسانیت۔ حیوانیت وغیرہ اوصاف کے احاطہ میں قلیل و کثیر اشیا داخل ہیں یعنی بہت سی اشیا سفیدی بہت سی سیاہ بہت سی انسان ہیں بہت سے حیوان۔ ایسے ہی وجود کے احاطہ میں بھی یہی حال ہے۔ لیکن سب اوصاف کے احاطے سے احاطہ وجود وسیع ہے بلکہ اُس سے اوپر کوئی احاطہ ہی نہیں یعنی جیسے انسانیت کے احاطہ سے اوپر احاطہ حیوانیت ہے جس میں انسان غیر انسان گدھا۔ گھوڑا۔ اونٹ۔ بیل۔ بھیڑ۔ بکری وغیرہ سب داخل ہیں ایسے ہی وجود کے احاطہ سے اوپر کوئی اور ایسا احاطہ نہیں کہ اُس میں موجود وغیرہ موجود داخل ہو کیونکہ غیر موجود اگر ہو تو معدوم ہی ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ معدوم کسی وصف کے احاطہ میں داخل ہی نہیں کیونکہ ہر وصف کے حامل ہونے کیلئے اول وجود کا ہونا ضرور ہے چنانچہ ظاہر ہے مگر جب وجود کا احاطہ سب احاطوں سے وسیع اور سب میں اوپر ہے تو بالضرور وجود ایک وصف غیر محدود ہوگا۔ کیونکہ ہر محدود کے لئے یہ ضرور ہے کہ وہ کسی ایسی



وسیع چیز کا ٹکڑا ہو گا یا ایسی چیز میں سمائی ہوئی ہو جو اُس سے زیادہ ہو مثلاً ہر مکان اور محلہ شہر ضلع - ولایت وغیرہ محدود چیزیں ہیں لیکن اُنکے محدود ہونے کے یہی معنی ہیں کہ یہ سب چیزیں زمین کے قطعات ہیں جو ان چیزوں کی زیادہ وسیع ہو اور زمین آسمان اگر محدود ہیں تو اُس کے یہ معنی ہیں کہ اس فضا کو وسیع میں جو آنکھوں کی نظر آتا ہے سمائی ہوئی ہیں - الغرض اگر وجود کو محدود کہئے تو یہ ضرور ہے کہ وہ کسی وسیع چیز کا ٹکڑا ہو یا کسی وسیع چیز میں سمایا ہوا ہو مگر وہ کون ہے جو نہیں جانتا کہ وجود سے زیادہ وسیع چیز نہیں تمام اشیاء وجود کے احاطہ میں داخل ہیں پر وجود کسی کے احاطہ میں داخل نہیں اسلئے خواہ مخواہ اس بات کا اقرار کرنا ضرور ہے کہ وجود غیر محدود ہے - جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو اب یہ خیال فرمائیے کہ نہ احاطہ وجود میں خدا کا ثانی ہو سکتا ہے اور نہ وجود کے احاطہ سے خارج اس کا ثانی ممکن ہے احاطہ وجود میں محال ہونے کی وجہ تو یہ ہے کہ جب ہمارا اہتمام وجود باوجود اس ضعف کے جو اُسکے عطا غیر ہونے سے نمایاں ہے غیر کو اپنے احاطہ میں گھسنے نہیں دیتا خدا کا وجود اس قوت پر کہ اُس کا خانہ زاد ہونا اُسکی دلیل ہے - کیونکہ اپنے ثانی کو اپنے احاطے میں قدم رکھنے دیگا + القصہ جیسے ہم تم جہاں تک پھیلے ہوئے ہوتے ہیں وہاں تک اور دوسرا نہیں آسکتا اور آجائے تو پھر ہم وہاں نہیں ہو سکتے علیٰ ہذا القیاس ایک میان میں دو تلواریں نہیں آتیں اور سیر بھر کے برتن میں دو سیر غلہ نہیں سما سکتا ایسے ہی بلکہ اس سے بڑھ کر خدا کے احاطے میں خدا کے ثانی کا آنا اور سمانا سمجھئے کیونکہ آفتاب کے نور کے مقابلے میں جو اُس کی ذات کے ساتھ چپال نظر آتا ہے یہ دھوپ برائے نام نور ہے اور نہایت ہی درجہ کو ضعیف ہے ایسے ہی بمقابلہ خدا کے وجود کے جو اُسکی ذات کے ساتھ لازم و ملازم ہے مخلوقات یعنی اور اشیاء کا وجود برائے نام وجود ہے اور نہایت ہی درجہ کو ضعیف ہے مگر جب اس ضعف پر ہمارے وجود میں یہ قوت ہے کہ غیر کو اپنی صدر میں قدم رکھنے نہیں دیتا تو خدا کا وجود اس قوت پر کا ہے کہ اور کسی خدا کی مداخلت کا واسطہ

ہوگا اور خارج از احاطہ خدا کے ثانی نہ ہونے کی وجہ ہے کہ احاطہ وجود غیر محدود اُس کے سوا اور اُس سے باہر کوئی جگہ ہی نہیں جو کسی دوسرے کے ہونیکا احتمال ہو اسلئے اس بات کا اقرار ہر عاقل کے ذمے ضرور ہے کہ خالق کائنات کو ایک ذات وحدۃ لا شریک لہ سمجھے۔ اور احتمال تعدد کو دل سے اٹھا دھرے۔ اسی تقریر سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مسئلہ تثلیث جس پر مدار کارایمان نصائے فی زمانہ ہے سراسر غلط ہے۔ وہاں تعدد کی گنجائش ہی نہیں جو تثلیث تک نوبت پہنچے اور پھر وہ بھی اس طرح کہ باوجود تعدد حقیقی وحدت حقیقی بھی باقی ہے کیونکہ وحدت اور کثرت دونوں باہم ضد یکدگر ہیں اور ظاہر ہے کہ اجتماع ضدین محال ہے جیسے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک آن میں ایک شے سیاہ بھی ہو اور سفید بھی ہو۔ گرم بھی ہو سرد بھی ہو یا ایک وقت میں ایک جگہ دن بھی ہو رات بھی ہو دوپہر بھی ہو آدھی رات بھی ہو۔ ایک شخص ایک وقت میں عالم بھی ہو جاہل بھی ہو بیمار بھی ہو تندرست بھی ہو موجود بھی ہو معدوم بھی ہو ایسے ہی یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ ایک بھی ہو اور تین بھی ہو وحدت بھی حقیقی ہو اور کثرت بھی حقیقی ہو۔ علیٰ ہذا القیاس جیسے اصداوند مذکورہ کا اجتماع محال ہے ایسے ہی خدائی اور احتیاج کا اجتماع بھی محال ہے کیونکہ خدائی کو استغناء ضرور ہے آفتاب تو فقط اس وجہ سے کہ زمین کی نسبت معطیٰ نور ہے۔ نور میں زمین کا محتاج نہ ہو۔ خداوند عالم باوجودیکہ تمام عالم کے حق میں معطیٰ وجود ہے عالم کا یا عالم میں سے کسی کا محتاج ہو کیونکہ ہر چیز وصف ہو یا موصوف ہو اپنی ہستی میں خدا کی محتاج ہے پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ خداوند عالم کسی بات میں کسی کا محتاج ہو جس چیز میں خدا کو محتاج کیسے گا اُس سے پہلے اس چیز کو خدا کا محتاج کہنا پڑے گا اور ظاہر ہے کہ احتیاج کے یہی معنی ہیں کہ اپنے پاس ایک چیز نہ ہو اور جس کی طرف احتیاج ہو اُس کے پاس وہ چیز موجود ہو جب ہر بات میں ہر چیز کو خدا تعالیٰ کا

محتاج مانا تو جو کچھ جہان میں احتیاج کے قابل ہوگا خداوند عالم میں پہلے ہوگا۔ ہاں خود احتیاج اور سامان احتیاج اُس میں نہ ہوں گے علیٰ ہذا القیاس یہ بھی ظاہر ہے کہ خود محتاج کا اُس پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ہو سکتا جس کا خود محتاج ہے۔ ہاں معاملہ بالعکس ہو اگر تلہ ہے یعنی ہمیشہ محتاج پر اُس کا دباؤ رہتا ہے جس کا محتاج ہوتا ہے۔ اس لئے یہ ضرور ہے کہ نہ خدا تعالیٰ میں کسی قسم کی احتیاج ہو نہ اُس پر کسی قسم کا دباؤ ہو اُس کا وجود ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ کو رہے یہ نہ ہو کہ اُس کے وجود کے لئے ابتدا انتہا ہو اس صورت میں کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علیؑ یا سری راچند رجبی وغیرہ خدا تھے اُن کے وجود کی ابتدا اور انتہا معلوم کھانے پینے کا محتاج ہونا اور پاناہ پیشاب مرض اور موت کا دباؤ سب پر آشکارا ایسی ایسی چیزوں کی احتیاج اور ایسی ایسی چیزوں کے دباؤ کے بعد بھی خدائی کا اعتقاد عقل اور انصاف سے سراسر بعید ہے۔ اس کے بعد پھر یہ گزارش ہے کہ وہ خداوند عالم جیسے اپنی ذات میں یکتا اور وحدہ لاشریک ہے ایسے ہی جامع کمالات و صفات بھی ہے اور کیون نہ ہو عالم میں جس صفت کو دیکھتے اپنے موصوف کے حق میں وجود کی تابع ہے۔ یعنی قبل وجود کسی صفت کا ثبوت ممکن نہیں رہا۔ امکان اور عدم واقع میں یہ دونوں باتیں وصف نہیں بلکہ سلب صفت ہیں عدم میں تو ظاہر ہے سلب وجود ہوتا ہے۔ رہا امکان اس میں سلب ضرورت وجود ہوتا ہے اور عام لوگوں کے محاورہ کے موافق امکان کا استعمال قبل وجود ہی ہوتا ہے جب یوں بولتے ہیں کہ یہ چیز ممکن ہے تو ہر کوئی یہی سمجھتا ہے کہ یہ چیز بالفعل موجود نہیں۔ مگر ہاں جیسے سایہ جو واقع میں عدم النور ہے بوجہ غلطی ایک چیز نظر آتی ہے ایسے ہی عدم اور امکان میں بھی بوجہ غلط فہمی اوصاف معلوم ہوتے ہیں مگر جب تمام اوصاف اپنے ثبوت و حصول میں وجود کے محتاج ہوئے تو بیشک یہی کہنا پڑے گا کہ تمام اوصاف اصل میں وجود کے اوصاف ہیں یعنی وجود کے حق میں عطار غیر نہیں بلکہ تمام اوصاف یعنی کمالات وجودی ہو

کے حق میں خاندانِ زاویہ میں ورنہ جیسے نورِ زمین اور گرمیِ آبِ گرم زمین اور پانی سے علیحدہ ہو کر بھی پائی جاتی ہیں ایسے ہی اوصافِ وجودی بھی وجود سے علیحدہ ہو کر پائے جاتے ہیں اس صورت میں بالضرور جو منبع وجود ہوگا وہی منبع اوصاف بھی ہوگا پر جانِ حیاں وجود ہوگا وہاں وہاں تمام اوصاف بھی قلیل اور کثیر ضرور ہونگے۔ اگر فرق ہوگا تو ایسا ہوگا جیسا آئینہ اور پتھر میں فرق ہے یعنی بوجہ فرقِ حسنِ قابلیت و عدمِ حسنِ قابلیت آئینہ میں بہ نسبت پتھر کے زیادہ نور آجاتا ہے اس لئے یہ ضرور ہے کہ تمام کائنات میں علم و ادراک و قوتِ حس و حرکت قلیل و کثیر ضرور ہو۔ بہت ہو تو یہ ہو کہ انسان وغیرہ میں علم و ادراک زیادہ ہو اور حیوانات میں اُس سے کم اور نباتات میں اُس سے کم اور جمادات یعنی زمین و آسمان اینٹ پتھر وغیرہ میں اُن سے بھی کم۔ یا فرض کیجئے معاملہ بالعکس ہو مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ زمین پہاڑ اینٹ پتھر علم و ادراک اور قوتِ حرکت سے بالکل خالی ہوں۔ باقی رہا ہم کو معلوم ہونا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اوصاف نہ ہوں۔ چنانچہ ظاہر ہے۔ بہر حال خداوندِ عالم بلکہ تمام عالم میں تمام کمالات کا ہونا ضروری ہے اور تمام کائنات کا وجود اور کمالات میں خداوندِ عالم کا محتاج ہونا لازمی ہے اس لئے یہ بھی ضرور ہے کہ خداوندِ عالم تمام عالم کے حق میں واجبِ اطاعت ہو اور تمام عالم کے ذمے اُس کی اطاعت اور فرمانبرداری واجب و لازم ہو کیونکہ وجوہِ فرمانبرداری بظاہر کل تین ہیں اور حقیقت میں دو ہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کوئی کسی کی تابعداری یا اُمیدِ نفع پر کرتا ہے جیسے نوکر اپنے میاں کی تابعداری یا خواہ کی اُمید پر کرتا ہے یا اندیشہِ نقصان کے باعث اُس کی فرمانبرداری اور تابعداری کرتا ہے جیسے رعیتِ حکام کی اطاعت اور مظلومِ ظالم کی تابعداری کیا کرتے ہیں یا بوجہِ محبت کوئی کسی کی تابعداری کیا کرتا ہے جیسے عاشق اپنے معشوقوں کی تابعداری کیا کرتے ہیں مگر اُمید و اندیشہ کو دیکھئے تو اختیارِ نفع و نقصان کی طرف راجع ہیں جس کے اصل کو

مثولے تو مالکیت اوصاف و کمالات نکلتے ہی یعنی مالک اسلی کو اختیار داد و مستداد و کمالات ہوتا ہے اور مستعیر کو اختیار رد و انکار نہیں ہوتا۔ چنانچہ آفتاب زمین کے حال سے نمایاں ہے کہ آفتاب وقت طلوع زمین کو نور عطا کرتا ہے تو زمین اُس کو رو نہیں کر سکتی اور وقت غروب اُس نور کو آفتاب چھین لیتا ہے تو زمین سے انکار نہیں ہو سکتا۔ وجہ اس کی بجز اس کے اور کیا ہے کہ آفتاب مالک النور ہے اور زمین فقط مستعیر ہے۔ الحاصل وجہ فرمانبرداری و اسباب اطاعت بظاہر تین ہیں۔ امید نفع۔ اندیشہ نقصان۔ محبت۔ اور حقیقت میں کل دو سبب ہیں ایک مالکیت دوسری محبت اور اس سے زیادہ تنقیح کیجئے تو اصل سبب اطاعت محبت ہے۔ اتنا فرق ہے کہ کہیں محبت مطاع موجب اطاعت ہوتی ہے اور کہیں محبت مال و جان باعث فرمانبرداری ہو جاتی ہے عشاق کی اطاعت اور فرمانبرداری میں مطاع کی محبت باعث اطاعت ہوتی ہے اور نوکر کی اطاعت میں محبت مال و جان۔ علیٰ ہذا القیاس رعیت کی اطاعت میں محبت جان و مال موجب فرمانبرداری ہوتی ہے۔ مگر ہرچہ با دوا و وجہ اطاعت ایک ہو یا دو تین جو کچھ ہو وہ خدا میں اقل ہے اور وہ میں اُس کے بعد۔ کیونکہ مالکیت اور اختیار نفع و نقصان بھی ہستی اور وجود پر موقوف ہے اور جمال۔ . . . .

و محبوبیت بھی وجود ہستی ہی پر موقوف ہے جہاں وجود اور ہستی کی اصل ہوگی وہیں مالکیت اور اختیار مذکور اور جمال و محبوبیت بھی ہوگی مثل وجود مالکیت و اختیار محبوبیت بھی اوروں میں اُسی کی عطا ہوگی اور اُسی کا فیض ہوگا۔ جب مخلوقات میں وجہ مذکور سرایہ اطاعت ہیں تو خداوند عالم کے حق میں یہ باتیں کیونکر سامان اطاعت و فرمانبرداری نہ ہونگی۔ القصہ جب اسباب اطاعت و فرمانبرداری کے سب کے سب خداوند عالم میں موجود ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ اوروں میں اس قسم کی چیز اگر ہے تو اسی کا فیض ہے تو بیشک خداوند عالم تمام عالم کے حق میں واجب الطاعت ہوگا لیکن اطاعت اور فرمانبرداری

اور تابعداری اس کو کہتے ہیں کہ دوسروں کی مرضی کے موافق کام کیا جائے ورنہ خلاف مرضی کرنے پر بھی طاعت اور بندگی اور فرمانبرداری ہی رہی تو پھر گناہ و خطا اور طاعت و بندگی میں کیا فرق ہے گا۔ الحاصل طاعت کے لئے توافقی رضا ضرور ہے لیکن ضاد و عدم رضا کا یہ حال ہے کہ ہم باوجودیکہ سراپا ظاہر میں ہماری مرضی و عدم مرضی ایسی مخفی ہے کہ بے ہمارے اطباء کے ظاہر نہیں ہو سکتی۔ بے ہمارے بتلانے کی اطلاع نہیں ہو سکتی بے ہماری تصریح یا اشارہ کنایہ کے کیوں نہ ہو سکتی اس لئے اس خداوند عالم کی مرضی و عدم مرضی اس پوشیدگی پر کہ آج تک خدا تعالیٰ کو کسی نے دیکھا ہی نہیں بے خدا کے بتلانے کسی کو کیونکر اطلاع ہو سکتی ہے۔ لیکن بادشاہان دنیا و محبوبان دار فنا کو ہم دیکھتے ہیں کہ اس نام کی مالکیت اور محبوبیت اور ذرا سے سامان نخوت پر مکان مکان اور دکان دکان اپنے مطیعوں سے کہتے نہیں پھرتے کہ یہ بات ہماری موافق مرضی ہے اس کی تعمیل کرنی چاہیئے اور یہ بات خلاف مرضی ہے اس سے احتراز لازم ہے۔ بلکہ مقربان درگاہ اُن کے ارشادات اور اشارات کے موافق آؤروں کو مطلع کر دیا کرتے ہیں اور حسب ضرورت اشتہار و منادی کر دیتے ہیں۔ اس صورت میں خداوند عالم کو اس سامان بے نیازی پر کہ وہ کسی کا کسی بات میں محتاج نہیں اور سوا اُس کے سب اُس کی سب باتوں میں محتاج کب سزاوار ہے کہ ہر کسی سے کہتا پھرے کہ اس کام کو کرنا چاہئے اور اس کام کو نہ کرنا چاہئے۔ وہ بھی اپنے مقربان خاص کے ذریعہ سے آؤروں کو اپنی رضا و غیر رضا سے مطلع کرے گا ہم انہیں مقربوں کو جو خداوند عالم کے ارشادات کی اطلاع آؤروں کو کرتے ہیں پیغمبر اور نبی اور رسول کہتے ہیں۔ وجہ تسمیہ خود ظاہر ہے۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ کوئی کسی کا مقرب جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ اُس کی موافق مرضی ہو جو لوگ مخالفت مزاج ہوتے ہیں قرب منزلت ان کو نہیں مل سکتا چنانچہ ظاہر ہے مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص یوسف ثانی اور حسن میں لاثانی ہو اُس کی ایک آنکھ مثلاً کافی ہو تو اُس ایک آنکھ کا نقصان تمام چہرہ کو بد نما اور نازیبا کر دیتا ہے۔

ایسے ہی اگر ایک بات بھی کسی میں دوسروں کے مخالف مزاج ہو تو اُن کی اونچیاں بھی ہوئی نہ ہوئی برابر ہو جائیں گی۔ غرض ایک عیب بھی کشتی ہوتا ہے تو پھر محبوبیت اور موافقت طبیعت و رضا متصور نہیں جو امتداد تقرب ہو اس لئے یہ بھی ضرور ہے کہ انبیاء اور مرسل سرایا اطاعت ہوں اور ایک بات بھی اُن میں خلاف مرضی خداوندی نہ ہو ایسوجہ سے ہم انبیاء کو معصوم کہتے ہیں۔ اور اس کئے سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ اُن میں گناہ خداوند عالم کا مادہ اور سامان ہی نہیں۔ کیونکہ اُن میں جب کوئی صفت بُری ہی نہیں تو پھر اُن سے بُرے افعال کا صادر ہونا بھی ممکن نہیں۔ اس لئے کہ افعال اختیاری تابعِ تعلقات ہوتے ہیں۔ اگر سخاوت ہوتی ہے تو داد و دہش کی نوبت آتی ہے۔ اور اگر خجل ہوتا ہے تو کوڑی کوڑی جمع کی جاتی ہے۔ شجاعت میں معرکہ آرائی اور بزدلی میں پس پائی ظہور میں آتی ہے ہاں یہ بات ممکن ہے کہ بوجہ سہویا غلط فہمی جو گاہ بگاہ بڑے بڑے عاقلوں کو بھی پیش آ جاتی ہے اور سوائے خداوندِ علیم وخبیر اور کوئی اُس سے منکر نہیں کسی مخالف مرضی کام کو موافق مرضی اور موافق مرضی کو مخالف مرضی سمجھ جائیں اور اسوجہ سے بظاہر خلاف مرضی کا لہو جائے تو ہو جائے یا بوجہ عظمت و محبت مطاع ہی مخالفت کی نوبت آ جائے مگر اس کو گناہ نہیں کہتے۔ گناہ کے لئے یہ ضرور ہے کہ عمداً مخالفت کی جائے۔ بھول چوک کو لغزش کہتے ہیں گناہ نہیں کہتے۔ یہی وجہ ہے کہ موقعِ عذر میں یہ کہا کرتے ہیں کہ میں بھول گیا تھا یا میں سمجھا نہ تھا۔ اگر بھول چوک بھی گناہ بھی کرتا تو یہ عذر اور اُن کا اقرار خطا ہو اگر تا۔ عذر نہ ہو اگر تا۔ جب یہ بات واضح ہو گئی کہ افعال تابعِ صفات ہیں تو اب دو باتیں قابلِ لحاظ باقی رہیں ایک اخلاق یعنی صفاتِ اہلیہ و دوسرے عقل و فہم۔ اخلاق کی ضرورت تو ہمیں سے ظاہر ہے کہ افعال جن کا کرنا نہ کرنا عبادت اور اطاعت اور فرمانبرداری

میں مطلوب ہوتا ہے اُن کا بھلا بُرا ہونا اخلاق کی بھلائی بُرائی پر موقوف ہے۔ اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ اصل میں بھلی اور بُری اخلاق و صفات ہی ہوتی ہیں اور عقل و فہم کی ضرورت اس لیے ہے کہ اخلاق کے مرتبے میں موقع بموقع دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ افعال میں بوج بے موقع ہو جانے کے کوئی خرابی اوپر سے نہ آجائے۔ دیکھئے سخاوت اچھی چیز ہے لیکن موقع میں صرف ہونا پھر بھی شرط ہے۔ اگر مساکین اور مستحقین کو دیا جائے تو فہم اور نہ رندیوں اور بھڑوں کا دینا یا شراب خواروں اور بھنگ نوشوں کو عطا کرنا کون نہیں جانتا کہ اُرد بڑائیوں کا سامان ہے۔ وجہ اس کی بجز اس کے اور کیا ہے کہ بموقع صرف ہوا۔ بالجمہ افعال ہر چند تابع صفات ہیں لیکن موقع اور بموقع کا پہچانا بجز عقل سلیم و فہم مستقیم برگز متصور نہیں اس لیے ضرور ہے کہ انبیاء میں عقل کامل اور اخلاق حمیدہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ جب اخلاق حمیدہ ہونگے تو محبت بھی ضرور ہوگی کیونکہ خلقِ حسن کی بنا محبت پر ہے۔ اور جب موقع اور محل کا لحاظ ہے اور عقل کامل موجود ہے تو پھر خدا سے بڑھ کر اور کونسا موقع سزاوار محبت ہوگا مگر خدا کے ساتھ محبت ہوگی تو پھر غم اطاعت و فرمانبرداری بھی ضرور ہوگا جس کا انجام یہی کلیگا کہ ارادہ نافرمانی کی گنجائش ہی نہیں اور ظاہر ہے کہ اسی کو معصومیت کہتے ہیں۔ اب یہ گزارش ہے کہ مدار کار نبوت عقل کامل اور اخلاق حمیدہ ہے۔ رہے معجزات وہ خود نبوت پر موقوف ہیں نبوت اُن پر موقوف نہیں یعنی یہ نہیں کہ جس میں معجزات نظر آئیں اُس کو نبوت عطا کریں ورنہ خیر بلکہ جس میں نبوت ہوتی ہے اُس کو معجزات عنایت کرتے ہیں۔ تاکہ غوام کو بھی اُس کی نبوت کا یقین ہو جائے اور نبی کے حق میں اُس کے معجزے بمنزلہ سند و ستادیز ہو جائیں اس لیے اہل عقل کے نزدیک اقل عقل کامل اور اخلاق حمیدہ ہی کا تحسین چاہئے مگر عقل اور اخلاق میں دیکھا تو حضرت محمد رسول اللہ

نبوت معصومیت اور عقل کامل



صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب میں فضل و اعلیٰ پایا عقل و فہم میں اولیت و افضلیت کے لئے تو اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہوگی کہ آپ بذات خود اُمّی اُن پڑھے جس ملک میں پیدا ہوئے اور جہاں ہوش سنبھالا بلکہ ساری عمر گزری علوم سے یک لخت خالی نہ علوم دینی کا پتہ نہ علوم دنیوی کا نشان نہ کوئی کتاب آسمانی نہ کوئی کتاب مبنی بباعث جہل کیا کیا کچھ خرابیاں نہ تھیں۔ اب کوئی صاحب فرمائیں کہ ایسا شخص اُمّی اُن پڑھا ایسے ملک میں اول سے آخر تک عمر گزارے جہاں علوم کا نام و نشان نہ ہو پھر اُس پر ایسا دین اور ایسا آئین۔ ایسی کتاب لاجواب اور ایسی ہدایات بینات ایک عالم کو جس پر ملک عرب کے جاہلوں کو انبیات یعنی علوم ذات و صفات خداوندی میں جو تمام علوم سے مشکل ہے اور علم عبادات اور علم اخلاق اور علم سیاسات اور علم معاملات اور علم معاش و معاد میں رشک ارسطو و افلاطون بنا دیا جس کے باعث تہذیب عرب رشک شایستگی حکماء عالم ہو گئے چنانچہ اُن کے کمال علمی پر آج اہل اسلام کے کتب مطولہ جو خارج از تعداد ہیں شاہد ہیں ایسے علوم کوئی بتلائے تو سہی کس قوم اور کس فریق میں ہیں جس کے فیض یافتہ اور تربیت یافتہ دونوں کا یہ حال ہے اُن کے اُستاد اول اور معلم اول یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہو گا۔ اور اخلاق کی یہ کیفیت کہ آپ کہیں کے بادشاہ نہ تھے بادشاہ زادے نہ تھے امیر نہ تھے امیر زادے نہ تھے۔ نہ تجارت کا سامان تھا نہ کھیتی کا بڑا اسباب تھا۔ نہ میراث میں کوئی چیز ملتا تھا۔ اُمّی۔ نہ بذات خود کوئی دولت کمائی۔ ایسے افلاس میں ملک عرب کے گردن کشوں جھانکٹوں برابر کے بھائیوں کو ایسا مسخر کر لیا کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں اپنا خون بہائے کو تیار ہوں پھر یہ بھی نہیں کہ ایک دور دراز کا ولولہ تھا آیا بھل گیا ساری عمر اسی کیفیت سے گزار دے۔ یہاں تک کہ گھر چھوڑا باہر چھوڑا۔ زن و فرزند چھوڑے۔ مال و دولت چھوڑا۔ آپ کی محبت میں سب پر خاک ڈال اپنوں سے آمادہ جنگ پیکار ہوئے۔

کسی کو آپ مار کسی کے ہاتھ سے آپ مارے گئے یہ تسخیرِ اخلاق نہ تھی تو اور کیا تھی۔ یہ زور شمشیر کس تنخواہ سے آپ نے حاصل کیا ایسے اخلاق کوئی بتلائے تو سہی حضرت آدمؑ میں تھے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام میں تھے یا حضرت موسیٰؑ میں تھے یا حضرت عیسیٰؑ میں تھے جب عقل و اخلاق کی یہ کیفیت ہو اُس پر زہد کی یہ حالت جو آیا دُہی لٹایا نہ کھایا نہ پینا نہ مکان بنایا تو پھر کون سا عاقل کمدِ گناہ کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ علیہما السلام غیر تم تو نبی ہوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی نہ ہوں اُن کی نبوت میں کسی کو تامل ہو کہ نہ ہو پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں اہل عقل و انصاف کو تامل کی گنجائش نہیں بلکہ بعد لحاظ کمالاتِ علی جو آپ کی ذات میں ہر عام و خاص کو ایسی طرح نظر آتے ہیں جیسے آفتاب میں نور۔ یہ بات واجبِ تسلیم ہے کہ آفتاب کے انبیاء کے قافلہ سالار اور سب سولوں کے سردار اور رب میں فضل اور رب کے خاتم ہیں تفصیل اس بحال کی یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ ہے انبیاء کے کمالات ہوں یا اولیاء کے رب عطاءِ خدا ہیں۔ چنانچہ مضامین مسطورہ بالا سے یہ بات عیاں ہے مگر عالم خصوصاً بنی آدم میں کمالات مختلفہ موجود ہیں۔ کسی میں حسنِ جمال ہے تو کسی میں فضل و کمال ہے۔ کسی میں زور و قدرت ہے تو کسی میں عقل و فراست ہے اس لئے خدا کے اُور بندوں کی اس وقت ایسی مثال ہوگی جیسے فرض کیجئے کسی استاد جامع کمالات کے پاس مختلف فنون کے طالب آئیں اور ہر شخص جدے علم سے فیض یاب ہو کر اپنے اپنے کمالات دکھلائیں۔ مگر ظاہر ہے کہ اُس کے شاگردوں کے آثار سے یہ بات خود نمایاں ہو جائے گی کہ یہ شخص کون سے فن میں اُستاد مذکور کا شاگرد ہے اگر فیض منقول اُس شاگرد سے جاری ہے تو معلوم ہو جائے گا کہ فن منقول میں یہ شخص شاگرد اُستاد مذکور کا ہے اور اگر فیض منقول جاری ہے تو معلوم ہوگا کہ فن منقول میں اُستاد مذکور سے مستفید ہوا ہے بیماروں کا علاج کرتا ہے تو استفادہ طب کا

پتہ لگے گا اور شاعروں میں غزل خوانی کرتا ہے تو تحصیل کمال شاعری کا سراغ نکلے گا۔  
 الحاصل شاگردوں کے احوال خود بتلا دیں گے کہ اُستاد کے کون سے کمال نے انہیں  
 ظور کیا ہے الحاصل جب بنی آدم خصوصاً انبیاء میں مختلف قسم کے حالات موجود ہوں۔  
 اور پھر سب کے سب خدا ہی کے عطا اور فیض ہوں تو بدالالت آثار و کاروبار انبیاء  
 یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ یہ نبی خدا تعالیٰ کی کون سی صفت سے مستفید ہے  
 اور وہ نبی کون سی خدا کی صفت سے مستفیض ہے یعنی گو ایک کے ساتھ اور سب  
 صفتیں بھی قلیل و کثیر آئیں پر اصل منبع فیض کوئی ایک ہی صفت ہوگی مگر بدالالت  
 معجزات انبیاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور صفت سے مستفید ہیں  
 اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور صفت سے مستفید ہیں۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام  
 میں بدالالت احیاء موتے و شفا راض مضمون جان بخشی کا پتہ لگتا ہے اور حضرت  
 موسیٰ علیہ السلام میں بدالالت اعجوبہ کاری عصائے موسیٰ کہ کبھی عصا تھا کبھی اُزدہ  
 تھا یہ معلوم ہوتا ہے کہ صفت تبدیل و تغیب کا سراغ نکلتا ہے۔ مگر حضرت محمد رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بدالالت اعجاز قرآنی و کمالات علمی یہ معلوم ہوتا ہے کہ  
 آپ صفت علم سے مستفید ہیں اور درگاہ علمی میں باریاب ہیں۔ مگر سب جانتے ہیں کہ  
 علم وہ صفت ہے کہ تمام صفات اپنی کارگزاری میں اُس کے محتاج ہیں پر علم اپنے کام  
 میں کسی صفت کا محتاج نہیں کون نہیں جانتا کہ ارادہ قدرت وغیرہ صفات بعلم  
 وادراک کسی کام کے نہیں۔ روٹی کھانے کا ارادہ کرتے ہیں اور پھر کھاتے ہیں تو  
 اول یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ روٹی ہے پتھر نہیں۔ اور پانی پینے کا ارادہ کرتے ہیں یا  
 پیتے ہیں تو یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ پانی ہے شراب نہیں۔ یہ علم نہیں تو اُور کیا ہے مگر  
 روٹی کو روٹی سمجھنا اور پانی کو پانی سمجھنا ارادہ قدرت پر موقوف نہیں۔ اگر روٹی سامنے  
 آجائے یا پانی سامنے سے گزر جائے تو بے ارادہ و اختیار وہ روٹی اور یہ پانی معلوم

ہوگا۔ قصہ علم کو اپنے معلومات کے تعلق میں کسی صفت کی ضرورت نہیں مگر باقی تمام صفات کو اپنے تعلقات میں علم کی حاجت ہو۔ غرض جو صفات غیر متعلق ہوتے ہیں اُن سب میں علم اول ہو اور سب میں علم اول ہو اور سب پر افسر ہو اور علم سے اول اور کوئی صفت نہیں بلکہ علم ہی پر مراتب صفات متعلقہ بالغير ختم ہو جاتے ہیں۔ اسلئے وہ نبی جو صفت العلم سے مستفید ہو اور بارگاہ علمی تک باریاب ہو تمام انبیاء کی مراتب میں زیادہ اور مرتبہ میں اول اور سب سے درجہ دار اور سب کا مخدوم کرم ہوگا اور سب اُسکے تابع اور محتاج ہونگے۔ اُس پر مراتب کمالات ختم ہو جائینگے اسلئے وہ نبی خاتم الانبیاء بھی ضرور ہی ہوگا۔ وہ اسکی یہ ہو کہ انبیاء پر جو احکام رسانی مثل گورنر وغیرہ نواب خداوندی ہوتے ہیں اسلئے اُن کا حاکم ہونا ضرور ہو۔ چنانچہ ظاہر ہے اسلئے جیسے عہدہ ہائے ماتحت میں سب میں اوپر عہدہ گورنری یا وزارت ہے اور سوا اُسکے اور سب عہدے اُسکے ماتحت ہوتے ہیں۔ اوروں کے احکام کو وہ توڑ سکتا ہے اُسکے احکام کو آف کوئی نہیں توڑ سکتا۔ وجہ اُسکی یہی ہوتی ہو کہ اُس پر مراتب عہدہ جات ختم ہو جاتے ہیں ایسے ہی خاتم مراتب نبوت کے اوپر اور کوئی عہدہ یا مرتبہ ہوتا ہی نہیں جو ہوتا ہو اُسکے ماتحت ہوتا ہے اسلئے اُسکے احکام اوروں کے احکام کے نسخ ہونگے۔ اوروں کے احکام اُسکے احکام کے نسخ نہ ہونگے۔ اور اسلئے یہ ضرور ہو کہ وہ خاتم زمانی بھی ہو کیونکہ اوپر کے حاکم تک نوبت سب احکام ماتحت کے بعد میں ملتی ہو اور اسلئے اُسکا حکم اخیر حکم ہوتا ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے پارلیمنٹ تک مراجعت کی نوبت سب کے بعد آتی ہو۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہو کہ کسی اور نبی نے دعویٰ خاتیت نہ کیا کیا تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ چنانچہ قرآن و حدیث میں یہ مضمون تبصریح موجود ہے۔ سوا آپ کے اور آپ کے پہلے اگر دعویٰ خاتیت کرتے تو حضرت عیسیٰ کرتے۔ مگر دعویٰ خاتیت تو دیکھا انہوں نے یہ فرمایا کہ میرے بعد جہان کا سردار آیا ہوا ہے۔ اس کی صاف ظاہر ہے کہ آپ نے اپنی خاتیت کا انکار کیا بلکہ خاتم کے انکی بشارت دی کیونکہ سب کا سردار خاتم الحکام ہوا کرتا ہے اور وہ خاتیت مخالفت اُسکے احکام آخری احکام ہوا کرتے ہیں چنانچہ مرفوعہ کر نیوا لونا کو خود ہی معلوم ہو۔ جب فضیلت محمدی اور خاتیت محمدی دونوں معلوم ہو گئیں تو اب یہ گذارش ہو کہ فقط فضیلت محمدی کمالات ہی میں واجب التسلیم نہیں بلکہ معجزات میں بھی فضیلت محمدی واجب الایمان ہو۔ اور کیونکہ وہ معجزات خود آثار کمالات ہوتے ہیں اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردہ ہو کر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا و بیجان اڑوا ہوا جائے

تو کیا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل سب کی کٹری کا ستون زندہ ہو گیا تفصیل اس  
اجمال کی یہ ہے کہ ایک زمانہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے روز اپنی مسجد کے ایک ستون کیساتھ  
جو کھجور کا تھا پشت لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ جب ممبر بنایا گیا تو آپ اس ستون کو چھوڑ کر ممبر پر خطبہ  
پڑھنے تشریف لائے۔ اس ستون میں سونے کی آواز آئی آپ ممبر کو ترک کر اس ستون کے پاس تشریف  
لئے اور اپنے سینہ سے لگایا اور ہاتھ پھیرا۔ وہ ستون ایسی طرح چپکا ہوا جیسے روتا ہوا بچہ بکتا بکتا  
چپکا ہو جاتا ہو۔ اس واقعہ کو ہزاروں نے دیکھا۔ جمعہ کا دن تھا اور پھر وہ زمانہ تھا جس میں نماز سوزیادہ اور  
کسی چیز کا اہتمام ہی نہ تھا۔ خاص کر جمعہ کی نماز جبکہ لیو اس قدر اہتمام شریعت میں کیا گیا ہے کہ اس سوزیادہ  
اور کسی نماز کا اہتمام ہی نہیں۔ الغرض چھوٹے بڑے سب حاضر تھے ایک دو اس وقت ہوتے تو احتمال  
دو بخ یا وہم غلط فہمی تھا ایسے مجمع کثیر میں ایسا واقعہ عجیب پیش آیا کہ نہ احیاء موتی کو جو عجائز عیسوی  
ٹکھا اس سے کچھ نسبت اور نہ عصائی موسوی کے اردو بانجانے کو جو معجزہ موسوی تھا اس سے کچھ مناسبت  
شیخ اس معما کی یہ ہے کہ تنہا جان اور جسم مردہ کو قبل موت تو روح سے علاوہ تھا۔ ستون مذکور کو تو  
نہ کبھی روح سے تعلق تھا نہ حیات معروف سے مطلب نہ علاوہ بریں جسم انسان و حیوان کو منبع  
حیات نہ ہو مگر قابل اور جاذب حیات ہونے میں کچھ شک بھی نہیں۔ یہی وجہ ہوئی کہ روح علو کو  
کو اس خاکدان سفلی میں آنا پڑا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایام حیات کی ملازمت طویلہ کے بعد  
روح کو بدن کے ساتھ انس و محبت کا ہونا بھی ضرور ہے جس سے ادھر کی نگرانی اور معاونت  
کی آسانی ثابت ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں ستون مذکور میں مفقود ہیں علیٰ هذا التعلیل  
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے اگر عصا اُردو بانگیا اور زندہ ہو کر ادھر ادھر دوڑا تو  
اسکی حرکات و سکنات بعد انقلاب شکل و ماہیت ظاہر ہوئی۔ اور ظاہر ہے کہ اس شکل اور اس  
ماہیت کو جو بعد انقلاب حاصل ہوئی حیات سے ایک مناسبت قوی ہو یعنی سانپوں اور  
اُردو ہاؤں کے افعال اور حرکات اور اُنکے وہ بیج و تاب اور وہ کاٹنا اور نگل جانا اسی ماہیت  
اور اسی شکل کے ساتھ مخصوص ہو اور زندوں سے بھی وہ کام نہیں ہو سکتے چر جائیکہ نباتات یا  
جمادات سے۔ القصہ شکل مذکورہ اور ماہیت متعارفہ میں روح کا آنا چند ان مستبعد اور بعید  
اور عجیب و غریب نہیں جتنوں کو کھے ستون میں جو بالیقین بالفعل منجمہ جمادات تھا روح و حیات کا

آجانا محل استعجاب ہے۔ علاوہ بریں عصائے موسوی سے وہی کام ظہور میں آیا جو اُورسا پنوں اور اثر دہاؤں سے ظہور میں آتا ہے۔ کوئی ایسا کام ظہور میں نہیں آیا جو ذوی العقول و ذی آدم سے ظہور میں آتے ہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے۔ اور ستوں خشک کا درد ذراق محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا موقوفی خطبہ سے جو اُس کے قریب پڑھا جایا کرتا تھا رونا اور چلانا وہ بات ہے جو سو ذوی العقول بلکہ اُن میں سے بھی بجز افراد کا ملہ اور کسی سے ظہور میں نہیں آسکتے۔ شرح اس مقام کی یہ ہے کہ جیسے محبت جمالی کے لئے اول آنکہ کی ضرورت ہے اور پھر قابلیت طبعیت کی حاجت جسکے سبب میلان خاطر اور توجہ دلی متصور ہو ایسے ہی محبت کمالی کے لئے اول عقل و فہم کی ضرورت ہے اور پھر قابلیت مذکورہ کی حاجت۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں تنہا تنہا بھی اور بحیثیت مجموعی بھی بجز بنی آدم اور اُن میں سے کئی بجز کا ملین عقل و طبعیت متصور نہیں۔ پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ کمالان مذکور سے بھی جہی متصور ہو کہ کمالات محبوب کے علم کی نوبت علم الیقین اور عین الیقین سے گزر جائے اور مرتبہ حق الیقین حاصل ہو جائے۔ کیونکہ قبل مرتبہ مذکورہ محبت کا حاصل ہونا ایسا ہی دشوار بلکہ غیر ممکن ہو جیسے قبل ذائقہ شیرینی وغیرہ نغمہ لذیذہ شیرینی کی رغبت غیر ممکن ہو۔ یہ کہنی شاہگو کہ چکھنے سے پہلے فقط دیکھنے ہی کے سبب کسی غذا نفس لطف کی طرف رغبت حاصل ہو جائے۔ خواہ اُس وقت چکھنے کا اتفاق ہو جو وقت وہ غذا سامنے آئے یا اُس کی پیشتر اتفاق ہو چکا ہو خواہ بدالات شکل و صورت یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس غذا میں وہ مزہ ہے جو پیشتر نصیب ہو چکا ہو یا کسی کے بتلانے سے معلوم ہو جائے کہ اس غذا میں وہ مزہ ہے جو پہلے اُڑ چکے ہیں بہر حال قبل ذائقہ چشنی رغبت و محبت غذا تصور ہیجائے اور کیوں نہ ہو وجہ محبت کوئی خوبی اور صفت ہی ہوتی ہو۔ یہی وجہ ہو کہ کئی چیزیں سیکو مرغوب نہیں ہوتیں اور اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ جمالی محبت میں فقط مرتبہ عین الیقین کافی ہو۔ دیدار غور و ماں حودہ عین الیقین ہے محبت کیلئے کافی ہو کسی اور مرتبہ کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ ظاہر ہو تو اس کا جواب یہ کہ جہی حصول حق الیقین کیلئے اس حاسہ کے سوا جو سامان عین الیقین ہوتا ہے کسی اور حاسہ کی ضرورت ہوتی ہو جیسے غذاؤں میں ہوتا ہو کہ عین الیقین تو بذریعہ چشم میسر آتا ہے اور حق الیقین بوسیلہ زبان حاصل ہوتا ہے۔ اور کہی حصول حق الیقین کیلئے حواس ظاہرہ میں سے سوائے اُس حاسہ کے جو آلہ عین الیقین ہوتا ہے اور کسی حاسہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ دونوں مرتبہ اُسی ایک حاسہ سے متعلق ہوتے ہیں۔ یا کوئی حاسہ

باطنی الحق یقین ہو جاتا ہے سو محبت جمالی میں یہ قصہ ہو کہ جو آلہ عین یقین ہو وہی آلہ حق یقین ہے۔  
تفصیل اس جمال کی یہ کہ غذاؤں کی محبت بوجہ صورت نہیں ہوتی بوجہ ذائقہ ہوتی ہے اور جمال کی محبت  
بوجہ صورت ہی ہوتی ہو کسی اور وجہ کو نہیں ہوتی اسلئے جمال میں عین یقین اور حق یقین ایک ہی حال سے  
متعلق ہوتی ہیں اور غذاؤں غیر میں مرتبہ عین یقین آنکھوں سے متعلق ہو تو مرتبہ عین یقین زبان سے متعلق ہے  
کیونکہ عین یقین اسکو کہتے ہیں کہ خبر نہ ہے مشاہدہ ہو جائے۔ اگر نوبت مشاہدہ نہیں آئی بلکہ ہنوز خبر  
ہی خبر ہے تو بشرط یقین وہ علم خبری علم یقین سمجھا جائیگا۔ اور اگر مشاہدہ سے بڑھ کر یہ نوبت بھی  
آجائے کہ اس شے کو استعمال میں لائے اور اس کے منافع سے منتفع ہو پھر یہ علم مرتبہ حق یقین کو  
پہنچ جائیگا۔ الحاصل مرتبہ حق یقین کا مرتبہ عین یقین کے ساتھ ساتھ ہونا بعض بعض مواقع میں  
موجب اشتباہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ گمان ہوتا ہے کہ مرتبہ عین یقین ہی میں محبت اور رغبت پیدا ہوتی  
ہے۔ جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو اسبے کہ جب پیدائش محبت مرتبہ حق یقین سے متعلق ہوئی تو بالضرور  
اس بات کا اقرار لازم ہوا کہ ستون مذکور کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کا علم درجہ حق یقین  
کو پہونچ گیا تھا اور ظاہر ہے کہ جیسے یقین میں اس مرتبہ سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ نہیں ایسے ہی  
کمالات روحانی کی نسبت اس مرتبہ کا حاصل ہونا ہر کسی کو میسر نہیں آتا۔ کیونکہ روح اور کمالات  
روحانی ایسے مخفی ہیں کہ بجز ارباب بصیرت و مکاشفہ اور کسی کو اس کا حصول متصور نہیں۔  
مگر ظاہر ہے کہ ارباب بصیرت و اصحاب مکاشفہ ہونا ایسا کمال ہے جس کے کمال ہونے میں بجز  
احق اور کسی کو شک نہیں ہو سکتا۔ انحضرت عصابے موسوی اگر از دہا بن گیا اور اثر وہاں چک چلا  
دوڑا تو یہ وہ کام ہے کہ جتنے سانپ ہیں سبھی یہ کام کرتے ہیں۔ کچھ سانپوں کے مرتبے سے بڑھ کر  
کوئی کام نہیں۔ اور ستون محمدی اگر فراق محمدی میں رویا تو اسکا ذوق محبت کمالات محمدی پر دلالت  
کرتا ہے جو بجز مرتبہ حق یقین متصور نہیں جو نسبت کمالات روحانی بجز ارباب کمال یعنی  
اصحاب بصیرت و مکاشفہ اور کسی کو میسر نہیں آ سکتا۔ اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں معجزہ  
موسوی کو معجزہ احمدی کے سامنے کچھ نسبت باقی نہیں رہتی۔ اور سب نے اگر حضرت موسیٰ  
علیہ السلام کے ہاں پتھر سے پانی نکلتا تھا تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
کی انگشتان مبارک سے پانی کے چشے جاری ہوئے تھے اور ظاہر ہے کہ زمین پر رکھے



ہوے پتھر سے پانی کے چٹنے کا بننا اتنا عجیب نہیں جتنا گوشت و پوست سے پانی کا نکلنا عجیب ہے۔ کون نہیں جانتا کہ جتنی ندیاں اور نالے ہیں سب پہاڑوں اور پتھروں اور زمین ہی سے نکلتے ہیں۔ پر کسی کے گوشت و پوست سے کسی نے ایک قطرہ بھی نکلتا نہیں دیکھا علاوہ بریں ایک پیالی پانی پر درت مبارک کے رکھ دینے سے انگشتان مبارک سے پانی کا نکلنا صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ درت مبارک منبع البرکات ہے اور یہ سب جسم مبارک کی کرامات ہے۔ اور سنگ موسوی سے زمین پر رکھ دینے کے بعد پانی کا نکلنا اگر دلالت کرتا ہے تو اتنی ہی بات پر دلالت کرتا ہے کہ خداوند عالم بڑا قادر ہے اور سنئے اگر باعجاز حضرت یوشع علیہ السلام آفتاب دیر تک ایک جا بھیرا ہوا کسی او بنی کے لئے بعد غروب آفتاب لوٹ آیا تو اسکا حاصل بجز اسکے اور کیا ہوا کہ بجائے حرکت سکون عارض ہو گیا یا بجائے حرکت روزمرہ حرکت معکوس وقوع میں آئی اور ظاہر ہے کہ یہ بات اتنی دشوار نہیں جتنی یہ بات دشوار ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ کیونکہ پھٹ جانا تو ہر جسم کے حق میں خلاف طبیعت ہے اور سکون کسی جسم کے حق میں بحیثیت جسمی خلاف طبیعت نہیں بلکہ حرکت ہی خلاف طبیعت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جیسے اجسام کے پھٹ جانے کے لئے اور اسباب کی حاجت ہوتی ہے ایسے ہی حرکت کے لئے بھی اور اسباب کی ضرورت پڑتی ہے اور سکون کے لئے کسی اور سبب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان تمام وقائع اور مضامین کے استملع کے بعد شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ معجزات مرقومہ بالا کا جو منجمہ معجزات محمدی صلعم مذکور ہوئے کیا ثبوت ہے۔ اور ہم کو کاہے سے

عس سنگ موسوی میں سے زمین پر رکھ دینے کے بعد بضرع عصار موسوی بارہ چٹنے جاری ہو جاتے تھے اس سے اگر نکلتی ہے تو تاثیر سنگ مذکور نکلتی ہے یا تاثیر عصائے مشا را لہ مگر تاثیر سنگ مذکور اگر ہوگی تو یہی ہوگی کہ زمین سے پانی کو ایسی طرح جذب کر لیا جیسے مقاطیس لوہے کو جذب کیا کرتا ہے۔ اور تاثیر عصا مذکور اگر ہوگی تو یہ ہوگی کہ ضرب عصا کے صدمہ سے پتھر کے مسامات ایسی طرح کھل گئے جیسے پستان کے دبائے سے اسکا منہ کھلتا ہے اور دودھ نکل آتا ہے۔ منہ



معلوم ہو کہ یہ یہ معجزات ظہور میں آئے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ ہم کو کلمہ سے معلوم ہو کہ اور انبیاء اور ادنیوں سے وہ معجزات اور کیشے ظہور میں آئے ہیں جو ان کے معتقد بیان کرتے ہیں۔ اگر توریت و انجیل کے بھروسے اُن معجزات اور کیشوں پر ایمان ہے تو قرآن و حدیث محمدی صلعم کے اعتماد پر معجزات محمدی پر ایمان لانا واجب ہے۔ کیونکہ توریت و انجیل کی کسی کے پاس آج کوئی سند موجود نہیں۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ کس نے ان میں یہ کتابیں لکھی گئیں اور کون کون اور کس قدر ان کتابوں کے راوی ہیں۔ اور قرآن و حدیث کی سند اور اسناد کا یہ حال کہ یہاں سے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک راویوں کی تعداد معلوم۔ نسب اور سکونت معلوم۔ نام اور احوال معلوم۔ پھر تماشہ ہے کہ توریت و انجیل تو معتبر ہو جائیں اور قرآن و حدیث کا اعتبار نہ ہو اس سے بڑھ کر اور کیا ستم اور کون سی نا انصافی ہوگی۔ اگر توریت و انجیل وغیرہ کتب مذاہب دیگر لائق اعتبار ہیں تو قرآن و حدیث کا اعتبار سب سے پہلے لازم ہے۔ اب یہ گزارش ہے کہ ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ اور مذاہب اور دین بالکل ساختہ اور پرداختہ بنی آدم میں بطور مجلسازی ایک دین بنا کر خدا کے نام لگا دیا۔ نہیں دو مذہبوں کو تو ہم یقیناً دین آسمانی سمجھتے ہیں۔ ایک دین یہود اور دو دین نصاریٰ ہاں اتنی بات ہے کہ بوجہ تحریف بنی آدم کے رائے کی آمیزش بھی ان دونوں دینوں میں ہو گئی ہے۔ باقی رہا دین یہود اُس کی نسبت اگرچہ ہم یقیناً نہیں کہہ سکتے کہ اصل سے یہ دین بھی آسمانی ہے مگر یقیناً یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ دین اصل سے جعلی ہے خدا کی طرف سے نہیں آیا۔ کیونکہ اول تو قرآن شریف میں ارشاد ہے **وَاِنْ مِنْ اُمَّةٍ اَلَا خَلَا فِہَا نَذِیْرٌ**۔ جسکے یہ معنی ہیں کہ کوئی اُمت یعنی گروہ عظیم ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرائیو والا نہ گذرا ہو پھر کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ اس ولایت ہندوستان میں جو ایک عریض و طویل ولایت ہے کوئی ہادی نہ پہنچا ہو۔ کیا عجب ہے کہ جبکہ ہندو صاحب اوتار کہتے ہیں اپنے زمانے کے نبی یا ولی یعنی نائب نبی ہوں۔ دو قرآن شریف میں یہ بھی ارشاد ہے **مَنْ مِّنْہُمْ**

قصصنا علیک ومنہم من لم نقصص علیک جس کا حاصل یہ ہے کہ بعض انبیاء کا قصہ تو ہم نے تجھ سے بیان کر دیا ہے اور بعضوں کا قصہ بیان نہیں کیا۔ سو کیا عجب ہے کہ انبیاء ہندوستان بھی انہیں نبیوں میں سے ہوں جن کا تذکرہ آپ نے نہیں کیا گیا رہی یہ بات کہ اگر ہندوؤں کے اوتار انبیاء یا اولیاء ہوتے تو دعویٰ خدائی نہ کرتے۔ اور افعال ناشائستہ مثل زنا۔ چوری وغیرہ ان سے سرزد نہ ہوتے۔ حالانکہ اوتاروں کے معتقد یعنی ہندو ان دونوں باتوں کے معتقد ہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ دونوں باتیں بیشک اُن سے سرزد ہوئی ہیں۔ سو اس شبہ کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف دعویٰ خدائی نصائے نے منسوب کر دیا ہے اور دلائل عقلی و نقلی اُس کے مخالف ہیں۔ ایسے ہی کیا عجب ہو کہ سری کرشن اور سری رامچندرجی کی طرف بھی دعویٰ بدروغ منسوب کر دیا ہو جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بدلات آیات قرآنی اور نیز بدلات آیات نبخیل اپنے بندہ ہونے کے مقرر اور معترف تھو اور پھر وہی کام مدت العمر میں کیا کئے جو بندگی کو سزاوار ہیں۔ دعویٰ خدائی پر نہیں پھرتے۔ یعنی نماز روزہ ادا کیا کیے۔ زبان سے عجز و نیا کر تے ہے۔ جب کہا اپنے آپ کو ابن آدم کہا اور بندہ قرار دیا۔ پھر اُس پر ان کے ذمے تہمت دعویٰ خدائی لگا دی گئی ایسے ہی کیا عجب ہے کہ سری کرشن اور سری رامچندرجی کی نسبت تہمت خدائی لگا دی ہو علیٰ ہذا القیاس جیسے حضرت لوط اور حضرت داؤد علیہم السلام کی نسبت باوجود اعتقاد نبوت یہود و نصائے تہمت شراب خواری اور زنا کاری لگاتے ہیں اور ہم اُن کو ان عیوب سے بری سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی کیا عجب ہے کہ سری کرشن اور سری رامچندرجی عیوب مذکور سے مبرا ہوں۔ آوروں نے اُن کے ذمے یہ تہمت زنا و سرزد لگا دی ہو۔ الحاصل یہ کہ یہ دعویٰ نہیں کہ آؤر ادیان اور آؤر مذاہب اصل سے غلط ہیں دین آسمانی نہیں بلکہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اس زمانے میں سوائے انبیا محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور کلیطیح نجات متصور نہیں اس زمانے میں یہ دین سب کے حق میں واجب الاتباع ہے باقی رہا یہ شبہ کہ اس صورت میں اور دین منسوخ ٹھہریں گے اور یہ وہم پیدا ہو گا کہ پہلے احکام میں خدا تعالیٰ سے کچھ غلطی ہوئی ہوگی جس کے تدارک اور اصلاح کے لئے یہ حکم بدلا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ نسخ ایک لفظ عربی ہے اس لفظ کے معنی ہم سے پوچھنے چاہئیں نسخ فقط تبدیل احکام کو عربی زبان میں کہتے ہیں مگر حکام دُنیا چونکہ اپنے احکام جیسی بدلتے ہیں جبکہ پہلے حکم میں کچھ نقصان معلوم ہوتا ہے اس لئے نسخ کے لفظ کو سُکر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے ورنہ نسخ محض تبدیل احکام کو کہتے ہیں۔ اور صورت تبدیل احکام خداوندی یہ ہوتی ہے کہ جیسے منضج و مہل اپنے اپنے وقت میں مناسب ہوتے ہیں اور اس لئے بعد اختتام میعاد منضج بجائے نسخ منضج نسخ مہل بدلا جاتا ہے اور اس تبدیلی کو بوجہ غلطی نسخ منضج کوئی نہیں سمجھتا۔ ایسے ہی دین موسوی اور دین عیسوی اپنے اپنے زمانہ میں مناسب تھے اور اس زمانہ میں یہی مناسب ہے کہ اتباع دین محمدی کیا جائے کیونکہ اور دینوں کی میعادیں ختم ہو گئیں اب اسی دین محمدی کا وقت ہے۔ عذاب آخرت اور غضب خداوندی سے نجات اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے اتباع میں منحصر ہے جیسے اس زمانہ میں گورنر زمانہ سابق لارڈ نار تھربروک کے احکام کی تعمیل کافی نہیں بلکہ گورنر زمانہ حال لارڈ لٹن کے احکام کی تعمیل کی ضرورت ہے ایسے ہی اس زمانہ میں اتباع ادیان سابقہ کافی نہیں بلکہ دین محمدی کا اتباع ضروری ہے سزائے سرکاری سے نجات اور رستگاری جیسی متصور ہے جبکہ زمانہ حال کے گورنر کا اتباع کیا جائے۔ اگر کوئی نادان یوں کہے کہ گورنر سابق بھی تو ملکہ ہی کا نائب

۱۔ وجہ انحصار نجات یہی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء کے سردار اور سب سے افضل ہیں چنانچہ اس سے پہلے یہ بات پادشہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اور ظاہر ہے کہ حاکم بالادست کے ہوتے حکام ماتحت کی اطاعت اور صورت مخالفت احکام حکام بالادست و احکام حکام ماتحت اپنے ذمہ نہیں رہتی ۱۲۔

تو اس عذر کو کوئی نہیں سُنتا۔ ایسے ہی یہ عذر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تو رسول خدا تھے اس وقت قابلِ اجتماع نہیں بلکہ بسببِ اس وقت اگر گورنر سابق بھی موجود ہو تو لارڈ لٹن ہی کا اتباع کرے جو گورنر زمانہ حال ہے ایسے ہی اس زمانہ میں گورنر موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی موجود ہوتے تو ان کو چارنا چار رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا اتباع کرنا پڑتا۔ اور اگر کوئی شخص اپنے خیال کے موافق بوجہ غلطی کوئی غیب ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ لگائے بھی تو ہم ہزار غیب ان کے بزرگوں میں نکال سکتے ہیں۔ یہی تقریر ہو رہی تھی جو پادری صاحب نے فرمایا کہ گھنٹہ پورا ہو گیا۔ خیر مولوی صاحب تو مجھے اور عیسائیوں کی طرف سے پادری محی الدین پشاوری اُٹھے اور مولوی صاحب کی تقریر پر چار اعتراض کئے جنکے دیکھنے کے بعد اہل فہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ جیسے ہنو کی طرف سے مولوی صاحب کی تقریر کے رد میں آخر جلسہ تک کوئی صدا نہ اُٹھی پادری صاحبوں نے بھی گویا مطالبِ ضروری کو اس تقریر کے تسلیم ہی کر لیا۔ کیونکہ مطالبِ اصلی اور ضروری تو اس تقریر میں کل آٹھ باتیں تھیں۔ خدا تعالیٰ کا ثبوت اُس کی وحدانیت۔ اُس کا واجبِ الطاعت ہونا۔ نبوت کی ضرورت۔ نبوت کے علامات اور صفات۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت۔ ان کی خاتمت ان کے ظہور کے بعد انہیں کے اتباع میں نجات کا منحصر ہو جانا۔ ان انھوں باتوں میں سے تو ایک بات پر بھی پادریوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ہاں پادری محی الدین مذکور نے مضامینِ طحہ اور زائدہ پر البتہ اعتراض کر کے انجام کار خود نام نہادوں سے اور پادری صاحبوں کو نام نہاد کر لیا۔ وہ چار اعتراض یہ ہیں۔ ایک تو انبیاء کی معصومیت پر یہ اعتراض

۱۔ معصومیت پر اعتراض مذکور جو معام پادری صاحبوں کو کیا نفع تھا انبیاء کو وہ خود تسلیم کرتے ہیں اور ان کے اتباع کو اپنے ذمہ واجب سمجھتے ہیں۔ جب باوجود اعتقاد گنہگاری انبیاء انکا اتباع واجب اور ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کے اتباع کو اپنے ذمہ

کہ حضرت آدم علیہ السلام باوجود ممانعت خداوندی گہیوں کھالیا اور مخالفت خداوندی کی۔ اور ظاہر ہے کہ اس مخالفت ہی کو گناہ کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس حضرت داؤد کی نسبت زین اوریا کے ساتھ نفوذ باللہ زنا کا الزام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی نسبت بُت پرستی کی تہمت لگا کر یہ کہا کہ زنا اور بُت پرستی دونوں گناہ ہیں۔ اور ہر دونوں نبی میں سوا وجود ایسے ایسے بڑے بڑے گناہوں کے صدور کے اُن کو معصوم کہنا سراسر غلط ہے اور پھر اُس پر یہ کہا کہ یہ قصے کلام اللہ میں مذکور ہیں۔ یہ اعتراض تو وہ ہے جس کی مدافعت خود اہل تفسیر میں مولوی صاحب کر چکے تھے۔ مگر با اینہم عوام کے دکھلانے کو پادری صاحب اپنا کام کر گزرے۔ دو کے مضمون آیت وَاَنْ مِنْ اُمَّةٍ اَلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ پر جس کا ترجمہ یہ ہے کوئی اُمت یعنی گروہ اعظم ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا خدا کی طرف سے نہ گذرا ہو یہ اعتراض کیا کہ تم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہر گروہ میں نبی کے آنے کی ضرورت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیشتر ملک عرب میں کون سا پیغمبر تھا اور اُس کے ساتھ پادری صاحب کی یہ اشارہ کرنا بھی منظور تھا کہ جب قبل بعثت محمدی کوئی پیغمبر ملک عرب میں نہ نکلا تو پھر چالیس برس کی عمر تک جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا آغاز اور اول زمانہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے افعال میں مخالف دین خداوندی ہونا لازم آئے گا جس سے معصومیت انبیاء میں صاف رخنہ پڑ جائے گا۔

۱۔ قرین قیاس عقل اتنی ہی بات ہے کہ خداوند عالم اپنے بندوں کو اپنی مرضی غیر مرضی سے کسی اپنے مقرر خاص کی معرفت اطلاع کراؤ اور بعد اطلاع اُس کی یادگاری اور حفاظت بندوں کے ذمہ ہو جائے جو جانی گم ہو جانے میں ٹھکانوں کے جو خدا کی طرف سے اُنکے مقربان خاص کی معرفت یعنی انبیاء اُنکے نابھوں کے ذریعہ سے پہنچی تھی۔ جو لوگ پیدا ہوئے وہ اس جرم میں ماخوذ ہوئے کہ وہ حکم نامے کیوں کھو دیے گئے اور اس جرم میں ماخوذ ہوئے کہ اُن کے موافق عمل کیوں نہ کیا بلکہ اُس زمانہ میں نفل زمانہ اول خدا کی طرف سے پھر اس لطف کی آمیزش کی کہ وہ پھر کسی خاص بند کو اپنے احکام دیکر بھیجے

تیسرا یہ اعتراض کہ معجزات محمدی کا ثبوت آپ کو قرآن سے دینا تھا قرآن سے آپ نے ثبوت نہیں دیا۔ چوتھا اعتراض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت پر یہ تھا کہ مسلمانوں کے ہاں درود اس طرح پڑھتے ہیں۔ اللہم نسل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد کا صلیت علی سیدنا ابراہیم وعلی آل سیدنا ابراہیم انک حمید مجید۔ اس درود میں لفظ کا صلیت جو تشبیہ پر دلالت کرتا ہے خود اس جانب مشیر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

(بقیہ صفحہ ۳۴) چنانچہ جی جہ ہونی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسلئے کہ وہ زمانہ بھی ایسا ہی تھا چنانچہ و اتھان اہل انصاف کو خوب معلوم ہے کہ کج نہ مائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت ہوئے اس زمانہ میں کوئی دین آسانی بجنہ محفوظ نہ تھا۔ نہ دین ابراہیمی نہ دین موسوی نہ دین عیسوی اصول کے خراب ہو گئے تھے بلکہ بعض دینوں میں تو جیسے دین براہیمی دے کے ایک ایسے حکموں کے جنکو قطع نظر ارشاد انبیاء بھی اہل عقل بلکہ تمام عالم تسلیم کرتا ہے جسے ظلم کی بُرائی احسان کی بھلائی مثلاً اور کوئی حکم بجنہ محفوظ و معلوم نہ تھا پھر اس کے ساتھ اصول دین میں یہ چیل پھیل گیا تھا کہ بجائے توحید شرک تھا خدا کی طرح اوروں کو عالم الغیب جانتے تھے اپنا نفع نقصان اُن کے قبضہ قدرت میں سمجھتے تھے۔ قیامت کا انکار تھا۔ عذابِ ثواب سے کچھ کار نہ تھا۔ ادھر دین عیسوی کی یہ حالت تھی کہ ایک اللہ کے بدلے تیس خدا کا اعتقاد۔ اعتقاد کفارہ عیسوی کے بدولت شریعت اور احکام شریعت سے دست برداری اور سبکدوشی علیٰ مذاقیاس دین موسوی کا بھی یہی حال تھا کہ کہیں تو یہ اعتقاد تھا کہ حضرت عزیر خدا کے بیٹے تھے۔ کہیں اپنے آپ کو خدا کا دھرت اور خدا کا فرزند سمجھتے تھے جسکے باعث احکام کی تعمیل سے بالکل فارغ البال تھے۔ اسی قسم کے خیالات بیا کے رفع کرنے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا۔ اُن کو نبی چھوڑ دیا نہ سمجھا کہ کوئی نیک ہی آدمی ہن چنانچہ اسوجہ سے اُن سے وہ سلوک کیا کہ سمجھی جاتے ہیں الغرض کوئی دین قبل بعثت محمدی ایسا نہ پچا تھا جس میں ایجا و بندہ نہ ہو گیا ہو۔ اس لئے وہ زمانہ ایسا ہو گیا تھا جیسا وہ زمانہ تھا جس میں سب سے پہلے پیغمبر شریعت لائے ہوئے تھے یعنی حق و باطل و مخالف و موافق و مخالف مرضی خداوندی کے اصلا تیز باقی نہ رہی تھی اور ظاہر ہے کہ ایسے وقت میں کوئی شخص بوجہ احکام لائین عذاب نہیں ہو سکتا کیونکہ عذاب اسوقت مناسب ہے کہ کوئی شخص باوجود علم و امکان اطلاع خدا کے احکام کی تعمیل نہ کرے یہاں علم احکام و امکان اطلاع احکام کی کوئی صورت تھی اس لئے ایسے وقت میں اتنی بات کافی ہے کہ اپنی طرف سے ہر دم بصدق دل اس پر آمادہ رہے کہ اگر کسی طرح کوئی حکم معنوم ہو جائے تو اسکی تعمیل کروں اور پھر حسب ہدایت عقل حسمہ معلوم ہو اسکا کار بند رہوں سو یہ بات بھگد اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبل بعثت حاصل تھی۔ شرک۔ زنا۔ چوری۔ قتل۔ شراب خواری۔ جھوٹ وغیرہ امور معلوم نہ تھے اسے احتراز تھا اور غار حرا میں تنہا بیٹھ کر اپنے خدا سے راز دینا تھا اور ظاہر ہے کہ اسی لو طاعت (باقی صفحہ ۳۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہوں۔ کیونکہ تشبیہ میں مشبہ بہ مشبہ  
افضل ہوا کرتا ہے۔ یہ چار اعتراض کر کے انہوں نے اور پادری نولس صاحب نے بھی  
فرمایا کہ اعتراض تو اور بھی تھے مگر بوجہ طول تقریر یاد نہیں ہے مگر ان چار اعتراضوں کے  
معائنہ سے ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ اگر بالفرض والتقدیر پادری صاحب اپنے  
بیان میں سچے ہی ہوں یعنی ان کے خیال میں اشار تقریر میں کچھ اور بھی اعتراض آئے ہی  
ہوں مگر بوجہ طول تقریر یاد نہ ہے ہوں تو بھی یہ چار اعتراض تو ان سب میں گل سرسبد  
اور ان سب کا انتخاب ہی ہونگے جو یاد رہے پھر جب ان کا یہ حال ہو کہ پادری صاحب  
بیان ہی نہ کرتے تو اچھا تھا نہ بیان کرتے تو نادم ہونا پڑتا تو اور اعتراض تو کس شمار میں  
میں۔ الغرض پادری صاحب تو بیٹھے اور مولوی صاحب کھڑے ہوئے اول تو یہ فرمایا کہ  
آپ اب تک گناہ کے معنی ہی نہ سمجھے۔ گناہ فقط مخالفت امر وارشاد و نہی و منع ہی کو نہیں  
کہتے بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ وہ مخالفت عمداً ہو بوجہ نسیان و غلطی نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ

(بقیہ جانیہ صفحہ ۳۵) اور فرمانبرداری کہتے ہیں بلکہ اصل اطاعت ہی ہے اطلاق احکام سے غرض اصلی اسی  
آبادگی کا امتحان ہوتا ہے۔ القصہ اس صورت میں نہ یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب ملک عرب میں آپ کو پہلے  
ایک عرصہ سے کوئی نبی ہی نہ تھا اور احکام خداوندی کی تعمیل کی کوئی صورت ہی نہ تھی تو پھر بوجہ تعمیل آپ معصوم  
نہ ہے نفوذ باللہ منہا گناہگار نکلے۔ اور یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ آپ پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی تھے آپ نے  
ان کا اتباع نہ کیا اسلئے نفوذ باللہ خدا کے نافرمان ٹھہرے کیونکہ عدم تعمیل اُس وقت مضرب جبکہ علم و اطلاع  
بھی ہو اور کئی نبی کا اتباع اُس وقت ضروری ہو جبکہ اُس کی ہدایات محفوظ و معلوم بھی ہوں۔ اور اگر ہدایت  
حق سلیم یہ معلوم ہو جائے کہ اب اس دین کے اصول غلط ہو گئے جیسے تثلیث کے استماع سے ظاہر ہے  
تو پھر کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ دین بحسنہ محفوظ ہے اصول ہی غلط ہوں تو پھر فروع کا کیا اعتبار۔ علاوہ بریں جیسے  
حاکم ضلع کی اطاعت اُس ضلع والوں کے ذمے ہوتی ہو اور افسر اعلیٰ گورنر وغیرہ کے ذمہ اُس کی اطاعت  
نہیں ہوتی بلکہ افسر اعلیٰ کی اطاعت اُس کے اور سب کے ذمہ ہوتی ہے۔ ایسے ہی سوائے خاتم الانبیاء  
اور انبیاء کی اطاعت انہیں لوگوں کے ذمہ ہوگی جنکے لئے وہ بھیجے گئے۔ ہاں خاتم کی اطاعت البتہ سب کے  
ذمہ ہوگی۔ انجیل پڑھنے والوں کو معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ خاتم تھے ورنہ دعویٰ ولایت ضرور کرتے بلکہ اپنے تو اپنی ولایت  
سے انکار ہی کیا جو یہ فرمایا کہ جان کا سزا آئیوالا ہو ورنہ ولایت کی بشارت دی غرض ہر جگہ حضرت عیسیٰ کا اتباع نہ کرنا  
معصومیت میں خذ انداز نہیں ہو سکتا



موقع عذر میں یوں کہا کرتے ہیں کہ میں بھول گیا تھا یا میں سمجھا نہ تھا۔ اگر باوجود نسیان و غلط فہمی بھی مخالفت کو گناہ کہتے تو پھر موقع عذر میں یہ کہنا کہ میں بھول گیا تھا سراسر لغو ہو کر رہے۔ بہر حال گناہ یعنی سرکشی کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ مخالفت مذکورہ بوجہ نسیان و غلطی نہ ہو عدا ہو اور عدا بھی ہو تو اس شخص کی محبت اور عظمت جسکی مخالفت کرتا ہے باعث مخالفت نہ ہونی ہو چنانچہ اثناء تقریر میں ہم نے خود اس مضمون کی طرف اشارہ کر کے یہ کہہ دیا تھا کہ کبھی بھولے چو کے یا بتقاضا محبت بھی انبیاء سے مخالفت ہو جاتی ہے البتہ عدا نہیں ہوتی الحاصل گناہ وہ مخالفت ہے جو عدا ہو اور باعث مخالفت اس کی محبت و عظمت نہ ہوئی ہو جس کی مخالفت کرتا ہے۔ اگر بوجہ نسیان یا بتقاضا محبت و عظمت مخالفت سرزد ہو جائے تو پھر اس کو گناہ نہیں کہتے بلکہ ذلت کہتے ہیں جس کا ترجمہ لغزش ہے مگر اس صورت میں حضرت آدم علیہ السلام کے گیسوں کھا لینے کو موافق اصول اہل اسلام گناہ اور جرم قرار دینا غلط ہے۔ کیونکہ اول تو حضرت آدم علیہ السلام نے یہ حرکت مخالفت امر خداوندی بھول کر کی تھی چنانچہ قرآن شریف میں حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں یہ واروہ ہے فَنَسِيَ مِمَّا بَدَلَعْنَا مِنْكَ حاصل یہ ہے کہ آدم علیہ السلام بھول گئے اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی۔ اور اگر حضرت آدم علیہ السلام عدا یہ مخالفت ظہور میں آئی تو اس کا باعث کوئی ہوا نفسانی نہیں ہوئی بلکہ بتقاضا محبت خداوندی ان سے یہ حرکت سرزد ہوئی تفصیل اسکی یہ ہے کہ قرآن شریف میں اس

۱۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی مخدوم کرم اپنے چھوٹوں کو سر ہانے بیٹھنے کو کہے اور وہ اس کے کہنے کو نہ مانے تو اس فتنے کو کوئی شخص سرکشی نہیں کہتا اور نہ جرم شمار نہیں کرتا بلکہ میں دلیل طاعت شمار کرتا ہے ۱۲ منہ

۲۔ اور ظاہر ہے کہ لغزش اسی حرکت کو کہتے ہیں جو بے اختیار از مادہ ہو کسی آدمی کے دھکے اور صدمہ و وقوع میں آئے مگر ایسی حرکت کو کوئی عاقل جرم اور بغاوت اور سرکشی کے اقسام میں شمار نہیں کرتا ۱۳ منہ

۳۔ اگر کسی صاحب کے پیشہ امتیاز ہو کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے تھے تو یہ آیت شریفہ (بہیمنو ۲۸)



قصہ کو اس طرح فرمایا ہے ماننا کہ اگر بکما عن بذہ الشجرۃ الا ان تکوناً ملکین او تکوناً من الخالین وقاسمہ انی لکما من الناصحین فلہما بغرود۔ جس کا حاصل اوپر کی عبارت کے ملانے سے یہ نکلتا ہے کہ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا سے یہ کہا کہ اس پھل کے کھانے سے تم کو خدا نے فقط اسلئے منع کیا ہے کہ اسے کھا کر کہیں فحشے ذہن جاؤ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷) ماننا کہ اگر بکما عن بذہ الشجرۃ الا ان تکوناً ملکین او تکوناً من الخالین غلط ہوگی کیونکہ اس آیت میں صاف اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ممانعت خداوندی یا دیتی اور اگر عمدتاً یہ حرکت اُن سے وقوع میں آئی تو پھر نیت فحشہ نہ بخدا عز و علا غلط ہوگی تو اسکا جواب یہ ہو کہ یہ دونوں آیتیں اسی قصہ کے متعلق ہیں تو پھر آیت فحشہ و لم یجدلہما عنما کا یہ مطلب ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ایک قیہ بات بھول گئے کہ وجہ ممانعت وہ نہیں جو شیطان بیان کرتا ہے بلکہ وجہ ممانعت پاس عزت و راحت حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام تھا۔ چنانچہ خود قرآن شریف میں فرماتے ہیں۔ ولا تقر باذہ الشجرۃ فکوناً من الظالمین جس کا حاصل یہ ہو کہ اے آدم و حوا تم لو جس رخت کے پاس پہنکنا یعنی اسکا پھل مت کھانا و نہ ظالم ہو جاؤ گے۔ غرض اُن نفل کا نتیجہ حرب ارشاد خداوندی ملکیت و خلود نہ تھا بلکہ ظلم تھا جسکا انجام سب جانتے ہیں کہ بد ہوتا ہے سو حضرت آدم علیہ السلام ایک تو نتیجہ مخالفت کو جو وجہ ممانعت تھی بھول گئے۔ دوسرے یہ بات بھی بھول گئے کہ خداوند کریم نے بہ نسبت شیطان فرما دیا تھا کہ انہ عدا کما فلایخرجکمما من الجنة فقتلی جسکا حاصل ہو کہ شیطان تمام دشمن ہو ایسا نہ ہو تم دونوں کو جنت سے نکال دے اور تو بد بخت ہو جاوے یعنی ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو قریب و دلا کر ہماری مخالفت کر لے اور اس سبب تم جنت سے نکالے جاؤ۔ غرض ارشاد خداوندی بہ نسبت شیطان نیز بہ نسبت وجہ ممانعت دونوں بھول گئے فقط ممانعت یا د رکھی اور اس بھول کے باعث نوبت یہاں تک آئی کہ اگر آیت فحشہ و لم یجدلہما عنما کسی اور قصہ کے متعلق ہے جیسے بعض حدیثوں میں ہو کہ حضرت آدم علیہ السلام نے خدا سے یہ استدعا کی کہ میری عمر میں سو کیسے دیکھا کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو دیدیا تو اور پھر وقت تشریف آوری ملک الموت نے فرمایا کہ میں نے اپنی عمر نہیں دی جس کو ان کا بہ نسبت اپنی استدعا کے بھول جانا ثابت ہوتا ہے تو پھر دونوں آیتوں میں ظاہری مخالفت بھی نہ بیگی جو نوبت استفسار کے البتہ اس صورت میں جواب اول کام کا نہ رہیگا ۱۱ منہ

کہیں ہمیشہ رہنے والوں میں سے تم بھی نہ ہو جاؤ۔ پھر بعد اس کے شیطان نے قسم کھا کر کہا کہ میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں۔ سو اسطور پر فریب دیکر انکو نکال باہر کیا اور اس ہندی سے نیچے گرا دیا۔ یہاں تک حاصل مطلب قرآنی تھا۔ اب ہماری نینے کہ جب وجہ مخالفت فرشتے ہو جانے اور خلود یعنی ہمیشگی کا شوق ہے چنانچہ سیاق آیت سے ظاہر ہے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کی طرف موافق اہل اسلام گناہ الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فرشتے مقربان بارگاہ الہی ہوتے ہیں اور کون سے تقرب خداوندی اسی شخص کو ہو سکتی ہے جو خدا کو عظیم الشان سمجھتا ہو اور خدا سے محبت رکھتا ہو۔ سو اس مخالفت کو گناہ کہنا جو بالیقین بتقاضائے محبت خداوندی اور بلحاظ عظمت خداوندی طور میں آئے سرہ سزا انصافی ہے۔ الحاصل حضرت آدم علیہ السلام کا گیبوں کھالیسنا منجم گناہ نہیں بلکہ از قسم زلت و لغزش ہے۔ اس کے بعد یہ فرمایا کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی نسبت آپکا یہ فرمانا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے نعوذ باللہ زنا کیا یا حضرت سلیمان علیہ السلام نے نعوذ باللہ بت پرستی کی اور یہ باتیں قرآن میں موجود ہیں بالکل غلط ہیں قرآن شریف میں ان باتوں کا پتہ نہیں۔ اگر تم کو قرآن شریف یاد ہوتا تو تم کرسنمان نہ ہوتے۔ پھر اس کے بعد یہ فرمایا کہ آپ جو یہ ارشاد کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کون بنی تھا سو اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے یہ کب کہا تھا کہ ہر قرن اور ہر زمانہ میں نبی کا ہونا ضرور ہے۔ اگر میں یہ کہتا تو البتہ تمہارا یہ اعتراض بجا تھا میں نے فقط اتنا کہا تھا کہ برگزین کئی ذرائع والا خدا کی طرف سے چاہتے۔

۱۔ جو چیز عزیز ہوتی ہے، اقدس اور اُس چیز کو حفاظت سے رکھتے ہیں۔ اور خراب نہیں ہونے دیتے۔ سو حضرت آدم علیہ السلام کو خلود کی آرزو وہ بھی ناز و نعمت میں اسی غرض سے تھی کہ خدا کے نزدیک عزیز ہو جاؤں ۱۲ منہ

اور ظاہر ہے کہ اس مضمون پر آپ کا اعتراض وارو نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد اعتراض ثالث کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ اول تو قرآن شریف میں مذکور ہونا کوئی شرط ثبوت نہیں۔ روایت صحیح چاہیے سو مجددؒ روایات احادیث اہل اسلام جن میں اکثر حجرات محمدی منقول ہیں ایسے صحیح ہیں کہ توریت و انجیل کی روایات اس کے ہم پلہ نہیں ہو سکتیں۔ علاوہ بریں معجزہ انشقاق قمر اور پیشین گوئی خلافت وغیرہ قرآن شریف میں نہیں اور کاہے میں ہیں۔ اتنے میں پادری نولس صاحب نے فرمایا کہ دس منٹ ہو چکے اس لئے مولوی صاحب بھجوری بیٹھ گئے۔ پر غالباً یہ ارشاد فرمایا کہ تنگئی وقت سے مجبور ہوں ورنہ جواب اعتراض رابع موجود ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ ایک ایک اعتراض کرتے جائیے اور جواب لیتے جائیے۔ بہت سے اعتراض اکٹھے ہو جاتے ہیں تو بوجہ تنگئی وقت جواب میں دقت پڑتی ہے۔ کیونکہ اعتراض میں تو کچھ دیر نہیں لگتی البتہ جواب کے لئے زمانہ واسع چاہئے۔ پادری محی الدین نے کہا کہ اب سے ایسا ہی ہو گا۔ خیر سننے والوں کے دل میں ارمان رہ گیا مگر

اے نصاریٰ کے اعتقاد کے موافق الفاظ تورات و انجیل خدا کی طرف سے نہیں آئے۔ ادھر سے فقط الہام معانی ہوا ہے۔ انبیاء و اوریوں نے اپنے الفاظ میں ان مضامین کو ادا کر دیا۔ چنانچہ ترجموں کی تورات و انجیل کتب بھی اس پر دلالت کرتا ہے سو اس بات میں احادیث نبوی صلیع حسب اعتقاد اہل اسلام تورات و انجیل کی برابر ہو جس کیونکہ احادیث کی نسبت بھی اعتقاد اہل اسلام بعینہ یہی ہے پھر اس پر یہ بات علاوہ رہی کہ اہل اسلام میں تو بہاں سے لیکر اوپر تک دینی تعلیم و نشان مرتب عالم دین منصب علوم و تورات و انجیل کے ادویہ کی نسبت ان باتوں میں سے ایک بھی معلوم نہیں۔ اوہ یہاں بوجہ احتیاط ترجموں کو حدیث نہیں کہتے کیونکہ پیغمبروں کی طرف تو بوجہ قرب کمال عقل یہ احتمال نہیں کہ خدا کا مطالبہ سمجھے ہوں ورنہ منصب پیغمبری قابل الطینان ہی اور مترجموں کی طرف بوجہ کم فہمی والفت (یعنی ذہن نشینی و خود گردگی) و عادت اور نیر مذہبی وغیرہ سطح کے احتمال ہیں۔ یہی بلا اہل کتاب کے حق میں سرمدیہ ضلالت ہو گئی ۱۲ منہ

سرشت اختیار اپنے ہاتھ سے بجز خاموشی کچھ بن نہ پڑا۔ کیونکہ پادری صاحبوں نے اعتراف و جواب کے لئے دس دس منٹ مقرر کر لئے تھے اور ہندو بھی انہیں کے بمقصر ہو گئے تھے اسلئے مسلمانوں کی خوشتر و بارہ عدم تعین وقت کچھ کارگر نہ ہوئی۔ حال کلام یہ ہے کہ مولوی صاحب بیٹھے اور پادری محی الدین پھر کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ اور بت پرستی کا بیان گو قرآن میں نہیں پر بائبل یعنی تورات و انجیل و زبور میں یہ افسانے موجود ہیں اور قرآن میں یہیل کی تصدیق موجود ہے۔ یہ کہہ کر وہ تو بیٹھے اور مولوی صاحب کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا کہ قرآن شریف میں بیشک تورات و انجیل کی تصدیق ہو مگر اُس تورات و انجیل کی تصدیق ہو جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئی تھی۔ اس تورات و انجیل کا مذکور نہیں جو آپ صاحبوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا اعتبار نہیں کیونکہ اس میں تحریف یعنی تغیر و تبدل واقع ہو چکی ہے۔ اسپر پادری محی الدین صاحب بہت جھٹلا کر اٹھے اور فرمایا کہ اگر آپ تحریف ثابت کر دیں تو ابھی فیصلہ ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا ابھی سہی۔ اور یہ کہہ کر جناب امام فن مناظرہ اہل کتاب یعنی مولوی ابوالمنصور صاحب کی طرف مخاطب ہو کر یہ فرمایا کہ ہاں مولوی صاحب انجیل کے اُس دس کی نسبت جو آج صبح آپ نے ہم کو مع اُسکے حاشیہ کے دکھلایا تھا علمائے نصاریٰ کی رائے سے پادری صاحب کو مطلع فرما دیجئے۔ امام صاحب نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ تحریفات تو بہت مگر مشتبہ نمونہ از خردار سے دوسرے باب پانچواں یوحنا کا نامہ دیکھئے اُس میں یہ مضمون ہے کہ تین ہیں جو آسمان پر گواہی دیتے ہیں باپ اور کلام اور روح القدس اور یہ تینوں ایک ہیں اور پھر فرمایا جب کتاب مرزا پور میں باہتمام اکابر پادریان بہت اہتمام سے موسیائی کی طرف سے عبرانی اور یونانی زبان سے اردو میں ترجمہ ہو کر سنہ ۱۲۷۵ ع میں چھپی تو دس مذکور کی نسبت حاشیہ پر اُن پادریوں جو اُسکے طبع کے متمتع تھے یہ عبارت چھاپی ہوئی ہے کہ (یہ الفاظ کسی قدیم نسخہ میں نہیں پڑ جاتے) اسپر پادریوں نے انکار کیا اور یہ کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اسلئے مولوی محمد قاسم صاحب نے

امام قن مناظرہ اہل کتاب جناب مولوی ابوالمنصور صاحب کے یہ عرض کیا کہ آپ نے کتاب ہی منگا لیجئے اسلئے حسب اشارہ امام صاحب انکا ایک خادم دوڑا اور خیمہ میں سو وہ کتاب اٹھالیا امام صاحب نے وہ مقام کھو لکر دکھلادیا دیکھتے ہی پادریوں کے تو ہوش اڑ گئے۔ اور اہل جلسہ پر یہ بات آشکارا ہو گئی کہ مسلمان بازی جیتے۔ مگر اسپر بھی پادری محی الدین صاحب نے حیا کو کام فرمایا اور شرم آنے کو یہ فرمایا کہ یہ تحریف نہیں کی ویشی ہے۔ ہر چند جواب اسکا یہی تھا کہ کمی بیشی خود اقسام تحریف میں سے ہے اسلئے کہ حاصل تحریف فقط تغیر و تصرف ہے کس طرح ہو۔ مگر حسب بیان مولوی صاحب موصوف مولوی صاحب کو پادری صاحب کی انصاف پرستی سے یہ کھٹکا ہوا کہ پادری صاحب اس باب میں لادنم کرتے کرتے وقت کو خراب کر دیں گے۔ اسلئے یہ فرمایا کہ اگر یہ تحریف نہیں کی ویشی ہے تب بھی ہمارا مطلب ہاتھ سے نہیں جاتا۔ اثبات تحریف سے اہل اسلام کو اس سے زیادہ اور کیا مقصود ہے کہ تورات و انجیل قابل اعتبار نہیں۔ سو در صورت تسلیم کمی و بیشی یہ بات بدرجہ اولیٰ ثابت ہو جائیگی۔ اس اشار میں پادری جان ٹامس صاحب کر شان اٹھے اور دوبارہ نسخ کچھ فرمانا چاہا مگر کھڑے ہو کر ایک ہی لفظ کہنے پائے تھے کہ جو رہ گئے اور لاچار ہو کر ان کو یہ کہنا پڑا کہ ہاں مولوی صاحب آپ کیا فرماتے تھے۔ مولوی محمد قاسم صاحب نے فرمایا معقول آپ کو اصل بات تو معلوم ہی نہیں اعتراض کرنے سے کس بھروسے پر آپ کھڑے ہوئے تھے۔ اسپر اکثر اہل جلسہ یہاں تک کہ پادری لوگ بھی ہنس پڑے مگر جو قن سنچھل سنبھلا کر پادری صاحب نے یہ فرمایا کہ اہل اسلام کے نزدیک اخبار میں نسخ نہیں ہوتا احکام میں جو کتاب ہے اور آیات قرآنی بعضے تو نسخ التلاوت بھی ہیں اور نسخ الحکم بھی ہیں اور بعضی نسخ الحکم میں اور بعضے فقط نسخ التلاوت ہیں۔ اس قسم کی بات بیان کر کے عادت بس کہ بچے گئی مگر کسی کو یہ معلوم نہ ہوا کہ پادری صاحب نے کس بات پر اعتراض کیا موافق عقل مشورہ المعنی فی مطن اشاعر پادری صاحب کے سوا اور کسی کو ان کا مطلب کھلا اور میں جانتا ہوں کہ شاید وہ بھی اتنی ہی سمجھے ہوں کہ کوئی مطلب کی بات میں نے نہیں کی مگر یہ

کھینچ مان کیجئے تو تقریر سابق سے پادری صاحب کے کلام کو اس سے زیادہ مناسبت نہیں  
 نکل سکتی کہ آیات منسوخ التلاوت کا قرآن سے نکال دینا قرآن کی نسبت بھی کمی کے اقرار کا  
 باعث ہے شاید اسلئے اسکے جواب میں غالباً مولوی محمد قاسم صاحب نے یہ فرمایا کہ جب ہم کو  
 بالیقین یہ معلوم ہے کہ پہلے اتنا تھا اور اب اتنا ہے۔ پہلے یہ حکم تھا اب یہ حکم ہے اور پھر  
 جو کچھ مواخذہ کے حکم سے ہوا ہمارا تصرف نہیں تو پھر قرآن کو تورات و انجیل پر قیاس کرنا  
 سوغت نا انصافی ہے۔ اسکے بعد پادری نولس صاحب بولے کہ بیشک یہ فقرہ زاید ہے اور جو کچھ  
 پادریان حزاب پور نے حاشیہ پر لکھا صحیح و درست ہے مگر یہ چھاپ دینا اور اسکے الحاق کا اقرار  
 کر لینا اتنا ہماری دیانت کی دلیل اور ہماری راستبازی کی علامت ہے کہ جو بات غلط تھی اسکو  
 غلط کہتے ہیں صحیح نہیں کہتے۔ اس پر جناب مولوی منصور علی صاحب نے یہ فرمایا کہ ہم یہ کب کہتے  
 ہیں کہ آپ جھوٹے ہیں آپ سچے سی ہمارا مطلب یہ کہ آپکا دین جھوٹا ہے سو اسکا جھوٹا  
 ہونا آپ کے اقرار سے ثابت ہو گیا۔ ادھر اول تو مولوی محمد قاسم صاحب نے یہ فرمایا کہ اگر فقرہ الحاق  
 پہلے تو اسکو انجیل سے نکال دیجئے اور عقیدہ تثلیث سے تو بہ کیجئے۔ مگر سپر پادری جان نامس صاحب  
 نے یہ کہا کہ ہم کو اس مضمون کی تعلیم اور طریقہ سے ہوتی ہے اور پھر پادری نولس صاحب کی طرف  
 مخاطب ہو کر یہ فرمایا کہ پادری صاحب اگر ایک پیالے پانی میں ایک قطرہ پیشاب کا

یعنی تورات و انجیل میں کمی و بیشی تغیر و تبدل جو کچھ ہوا بندوں کے تصرف سے مواخذہ کے حکم سے نہیں ہوا  
 پھر یہ معلوم نہیں کہ اصل کیا تھی لفظ کیا تھے اسکے معنی کیا تھے غرض شیخ تلامذہ آیات قرآنی اصل مطلب کے غلط طوطا جانے کا  
 باعث نہیں ہوا اختلاف انجیل کے کہ ایک ہی فقرہ کے ترجمان سے کتنے مختلف معانی ہوتے ہیں کہ توحید کو چھوڑ کر تمام نصائے  
 تثلیث کے معنی ہو گئے۔ حالانکہ اس فقرہ کی تفسیر حسب تحریر سابق یہ بھی اعتقاد ہے کہ یہ فقرہ الحاقی ہے نہ  
 لفظ جاہلی غریبی لفظ عام ہے تو معجزات کا ثبوت قرآن کو مانگا جائے حالانکہ معجزات پر بنا ربوت نہیں بلکہ معجزات  
 ہی خود ربوت پر مبنی ہیں اور بنا ربوت نقطہ کمال عقل و فہم و خلاق پر ہے جسکا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی  
 آیت سے زیادہ روشن ہو چنانچہ پہلے واضح ہو چکا اور اپنا یہ حال جو کہ اصل عقیدہ ہی جیسرنا رکھنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام  
 لے یہ وہ جواب ہے جسکو مونا بھی کہہ سکتے ہیں اور بابا یک بھی کہہ سکتے ہیں الزامی بھی کہہ سکتے ہیں اور حقیقی بھی  
 کہہ سکتے ہیں اور ایسے لطیف جواب ظرافت آمیز کہہ سکتے ہیں آئے ہیں ۷۷

کا اگر جائے تو وہ قطرہ سائے پانی کو ناپاک بنا دیتا ہے۔ وہ پانی باوجود کہ قطرہ سواضت مضاعت اور کمین زیادہ ہے اس قطرہ کو پاک نہیں بنا دیتا۔ سپر پادری صاحب کو شور کرنے کیلئے ایک ہمانہ پاتھ اگیا کھڑے ہو کر بہت تیزی سے یہ فرمایا کہ انجیل خدا کا کلام اس قابل نہیں کہ اس میں ناپاکی نکالی جائے۔ آپ ایسی بڑی تشبیہ نہ دیجئے۔ ہر چند پادری صاحب کا یہ شور بجا تھا کیونکہ مولوی صاحب نے انجیل کو تو پاک ہی پانی سے تشبیہ دی تھی۔ ناپاک سے نہ دی تھی۔ قطرہ ناپاک قطرہ پشاپ سے اگر تشبیہ دی تھی تو الحاقیات کو دی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں کوئی بے ادبی نہیں بلکہ الحاق کو بے ادبی کہئے تو سرسبز بجائے مگر حسب بیان مولوی صاحب اس وقت مولوی صاحب نے تطبیق مثال میں گفتگو کرنی فضول سمجھی اور اس اندیشہ سے کہ بادا اس میں وقت ختم ہو جائے یہ کہا کہ پادری صاحب آپ کہاں تک ایسی باتیں کریں گے۔ آپ ایک مثال میں گفتگو کریں گے میں اور دوسری مثالیں بیان کر دوں گا۔ یہ تو آپ اس سے کہئے جسکو اور مثال نہ آتی ہو آپ مثال نہ سنیئے دوسری مثال سنیئے۔ اگر کوئی شخص حُسن میں لاشانی ہو جمال میں یوسف خانی ہو مگر اسکی ایک آنکھ کافی ہو تو اسکا یہ عیب باری خوبیوں کو خراب کر دیگا باقی اعضا کا حُسن اور انکی خوبی اس آنکھ کے عیب کو خوبی نہ بنا دیگا۔ ایسے ہی اگر کسی دستاویز کسی وثیقہ میں ایک جگہ محدوش ہو تو باقی دستاویز اور وثیقہ کی درستی اس ایک مقام محدوش کو درست اور صحیح نہ بنا دیگی۔ اس ایک جگہ کا محدوش ہونا تمام دستاویز اور تمام وثیقہ کو محدوش بنا دیگا۔ پھر ما شاہی کہ مقدمات دینیوں میں تو ایسی مشاویز قابل اعتبار نہ رہیں حالانکہ اہل عقل کے نزدیک متاع دنیا چند اہل اہتمام نہیں اور مقدمہ دینی میں ایسی دستاویز محدوش لائق اعتبار ہو جائے۔ اور اتفاق ہو حالت وعظ میں منصف شریعی شاہچہانپور بھی آگئے تھے اور مولوی صاحب کے سامنے ہی بیٹھے تھے۔ مولوی صاحب نے یہ کہہ کر منصف صاحب کی طرف اشارہ کر کے پادری فاضل صاحب کو فرمایا کہ اس مقدمہ میں ہمارے آپ کے منصف صاحب ہی ہے اوروں کے مقدمات اور جھگڑے بھی



یہی فیصل کرتے ہیں ہماری ڈگری بھی یہی کرینگے۔ اور پھر منصف صاحب کی طرف مخاطب ہو کر یہ فرمایا کیوں منصف صاحب آپ ہی فرمائیں اگر کوئی دستاویز جعلی آپ کے ہاں نہ ہو اور اسکا جعل کھل جائے خود مدعی اقرار جعل کرے یا اور کسی طریقہ سے اسکا جعلی ہونا ثابت ہو جائے تو قانون سرکاری اُسکی نسبت کیا ہو اور آپ اس مقدمہ میں کیا فیصلہ فرمائینگے مگر منصف صاحب نے بطور اعلان کچھ نہ فرمایا تبسم کرتے رہے ہاں بعض صاحبوں کو سنا کہ منصف صاحب نے یہ فرمایا کہ دعویٰ دس دس دستاویز مسترد مدعی اور گواہوں کو چودہ چودہ ہونے کی قید۔ شاید یہ بات منصف صاحب نے اپنے پاس کے صاحبوں سے فرمائی ہو اور اُسوقت آڈروں نے سنی ہو۔ اور بعض کا یہ مقولہ ہو کہ یہ بات موتی میاں صاحب یا مولوی عبدالحی صاحب نے فرمائی مگر اتم حروف نے دونوں صاحبوں سے نہیں سنی جس کسی نے کہی انصاف کی بات کسی ہاں ایک اور بات اپنی سنی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ جس شب کو چاند پور سے شاہجہانپور آئے اُس کی صبح کو راقم حروف مولوی محمد علی صاحب کینڈوت میں حاضر تھا اور واقعہ چاند پور کے متعلق ہی باتیں ہو رہی تھیں جو ایک صاحب قوم کے مسلمان مولوی صاحب کینڈوت میں حاضر ہوئے۔ انداز ملاقات سے یہ معلوم ہوا کہ مولوی صاحب کے آشناؤں میں سے ہیں۔ اُس ذکر میں ذکر اُنہوں نے یہ بھی کیا کہ منصف صاحب یہ فرماتے تھے کہ مولوی محمد قاسم صاحب نبوت کے متعلق تقریر بیان کر رہے تھے جو میں بھی اُنکے دعوٰی میں پہنچ گیا مجھ کو وہ تقریر نہایت پسند آئی اُسکے بعد اُنہوں نے پاوری کو تو ایسا ذلیل کیا کہ غیرت ہو تو منہ نہ دکھائے اور میں اُن کو نہیں جانتا تھا اور وہ مجھ کو نہیں جانتے تھے خدا جانے اُنہوں نے مجھ کو کاہے سے پہچان لیا جو بار بار میری طرف مخاطب ہو کر کہتے تھے منصف صاحب آپ ہمارے حکم ہے آپ لوگوں کے مقدمے فیصل کرتے ہیں ہمارا مقدمہ بھی آپ ہی فیصل کر دیجئے۔ الفتنہ پاوری صاحبوں کو مولوی منصور علی صاحب اُو مولوی محمد قاسم صاحب کی باتوں کا جواب آیا۔ اور وقت مغرب بھی آگیا تھا اسلئے جلسہ ختم



ہوا مگر ان دو بار کے بعد جبکا مذکور ہو چکا پادری محی الدین پھر نہ اُسے ایک بار کہیں قرار  
 بھی ہوئے مگر اور پادری اُنکی طرف گھورنے لگے اور اُن کا گھورنا بجا تھا انہیں کی بدو  
 پادیوں کو یہ ندامت اٹھانی پڑی ایسے بطور ظرافت مولوی منصور علی صاحب نے اسوقت پادیوں سے  
 کہا دیکھنا پھر اُنکو مت کھڑا کرنا نہیں تو پھر سطح فیضیت کراہینگے۔ یہ ہے ہندو انہیں سو کوئی صاحب  
 اس جلسہ میں اُٹل ہوا آخر تک بولا بھی نہیں۔ خیر وقت غروب آفتاب جلسہ برخواست ہوا۔ اہل اسلام  
 شاداں و فرھاں اپنی فرو دگاہ پر آئے۔ بعد مغرب مولوی محمد قاسم صاحب مولوی منصور علی صاحب  
 وغیرہ خیمہ میں بیٹھے ہوئے تھے کسی نے مولوی محمد قاسم صاحب سے یہ کہا کہ بوجہ تنگی وقت اُس اعتراض کا  
 جواب نہ گیا جو پادری محی الدین نے بدستاور دو و شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت سے  
 کیا تھا اگر آپ اسکا جواب بیان کرتے تو کیا بیان کرتے مولوی صاحب نے کہا پادری محی الدین کا یہ  
 اعتراض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت پر بوجہ تشبیہ حضرت ابراہیم جو درو و شریف میں واقع ہوا درو و نہیں  
 کیونکہ مشابہہ کا افضل ہونا تشبیہات مجازی میں ضرور ہے تشبیہات حقیقی میں ضرور نہیں بلکہ تشبیہات  
 حقیقی میں یہ ضرور ہے کہ شبہ اور مشبہ وجہ شبہ میں دونوں برابر ہوں کوئی کسی کو کم ذرا زیادہ نہ ہو درو  
 تشبیہ سرسری غلط ہوگی اور ظاہر ہے کہ درو و شریف میں تشبیہ حقیقی ہے تشبیہ مجازی نہیں ہاں اسوقت شبہ  
 پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت پھر بھی ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ اگر مشبہ بہ تشبیہ حقیقی  
 میں افضل نہیں ہوتا تو موافق بیان ہذا دونوں کا مساوی ہونا لازم آئے گا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 حضرت ابراہیم دونوں ہم پلہ ہو جائینگے ایک دوسرے افضل نہ رہیں گے اس شے کا اول جواب یہ ہے کہ  
 تشبیہ فی النسبت میں نسبت کا مساوی ہونا ضرور ہے منسوب اور منسوب کا برابر ہونا ضرور نہیں مثلا یوں  
 کہہ سکتے ہیں کہ ایک کو دو کے ساتھ وہی نسبت ہے جو ایک کروڑ کو دو کروڑ کے ساتھ نسبت ہے تو اس صورت  
 میں نسبت فی ما بین تو یکساں تشبیہ مساوی ہے پر اس نسبت کا منسوب ایہ اس نسبت کے منسوب کیساتھ اور  
 میں اس نسبت کا منسوب ہم نسبت کے منسوب کوئی نسبت نہیں کھاتی یعنی ایک ایک کروڑ کے اور دو کو دو کروڑ  
 کے ساتھ کچھ نسبت نہیں علیٰ ہذا القیاس یوں کہہ سکتے ہیں جیسے وح دیے فرشتے یعنی اگر چہ وح ہے

تو وقت موت اُسکے لینے کیلئے رحمت کے فرشتے آتے ہیں اور اگر بُری فرح ہو تو اُسکے لینے کیلئے عذاب کے فرشتے آتے ہیں ایسے ہی یوں بھی کہہ سکتے ہیں جیسی روح ویسا بدن یعنی اگر روح انسانی ہو تو بدن انسانی ہوتا ہے اور شکل انسانی ہوتی ہو اور اگر روح خنزیری ہوتی ہو تو جسم و شکل بھی خنزیری ہی ہوتی ہو مگر سب جانتے ہیں کجا ارواح نبی آدم کجا فرشتے کجا ارواح کجا اجسام یہ نہیں کہار عالج نبی آدم اور فرشتے برابر ہو جائیں اور ارواح نبی آدم وغیرہ اور اجسام نبی آدم وغیرہ برابر ہو جائیں باوجود صحت تشبیہ ان بمقام میں ان اشیاء کا برابر ہونا اسی بات پر مبنی ہو کہ تشبیہ فی النسب ہے نسبت کا برابر ہونا چاہئے اطراف کا مساوی ہونا ضرور نہیں علیٰ ہذا القیاس لیں کہہ سکتے ہیں جیسا آفتاب جیسی ہو پ جیسا چاند جیسی چاندنی جیسا تخم جیسی ہی شاخ و برگ جیسا درخت جیسا ہی پھل سو سطح درود شریف میں بھی خیال فرمایا ہے تفصیل رسالہ جلالیہ کے جیسے درویشی اور طریقت کے سلسلے متعدد ہیں ایسے ہی نبوت کے بھی سلسلے متعدد ہیں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک سلسلہ میں ہیں یہ سلسلہ حضرت ابراہیم سے چلا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا اور حضرت یعقوب اور انکی اولاد حضرت موسیٰ ایک سلسلہ میں ہیں یہ سلسلہ حضرت یعقوب سے چلا اور دور تک چلا گیا مگر سلسلہ اول میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بنزلہ تخم سمجھیے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنزلہ درخت کامل سمجھیے جس میں شاخ و برگ پھول پھل سب جو ہوں علیٰ ہذا القیاس سلسلہ ثانی میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو بنزلہ تخم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنزلہ درخت کامل خیال فرمائیے۔ اور پھر فرمائیے کہ باوجود امتثال محبت تشبیہ تساوی کیونکر لازم آتی ہو اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کیسے طرح

سلسلہ تشبیہ فی النسب درود شریف میں یوں بھی مکتوب ہے کہ بوجہ کمال عبودیت و اخلاق بمقتضائے کرم خداوندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل حضرت ابراہیم علیہ السلام مستحق عنایت اور حقدار کرم ہوں اور تشبیہ کما صلیت سی غرض ہو کہ خداوند عالم جیسا تو نے بمقتضائے کرم حقوق بندگی ابراہیم کو اور دیا ایسا ہی بمقتضائے کرم حقوق بندگی محمدی بھی اور اگر غرض تشبیہ فی النسب وجوب الاداء مقصود ہو تشبیہ فی مقدار الحقوق مردونہ جو تساوی مراتب یا ہمینی مرتبہ محمدی لازم آئے اور فضیلت محمدی ہاتھ سے جا بے کیونکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ جیسا کسی کا ایک چمبہ واجب الاداء ہے ایسے ہی اُس کے سورپے بھی واجب الاداء ہیں اور ظاہر ہے کہ اس آساوات وجوب الاداء ہمیں آتی ہو مساوات حقوق لازم نہیں آتی بلکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ مقدار حقوق بن زمین آسمان کا فرق ہے ۱۱ منہ

باتھ سے جاتی ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر فرض کیجئے کوئی شخص ایک شہ کندن سونا یا کچھ ہزار من سونا خریدنا چاہے اور ماشہ بھر کندن سونے کو دکھلائے اور یہ کہے ایسا خریدنا منظور ہے تو پیشیہ تو صحیح ہوتی ہے مگر اسکے یہ معنی نہیں ہوتے کہ ماشہ بھر اور ہزار من برابر ہو گئے جتنی ہزار من لے کو عزت اور ثروت حاصل ہے اتنی ہی ماشہ بھر والے کو بھی ثروت اور عزت حاصل ہے بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس قسم کا ہو اس نوع کا ہو غرض تشبیہ فی النوع مراد ہوتی ہے اور اس وجہ سے تساوی نوعی ضرور ہے مگر تساوی نوعی کو یہ لازم نہیں کہ مراتب شخصی بھی برابر ہو جائیں جو ہزار من لے کا افضل ہونا اور ماشہ بھر لے کا کمتر ہونا لازم نہ آئے ایسے ہی درود شریف میں صلوات ابراہیمی کو نمونہ سمجھیے اور تشبیہ فی النوع مراد لیجئے اور جیسے ہزار من والا ماشہ بھر لے سے افضل ہوتا ہے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل سمجھیے۔ اسی اشار میں منشی پیارے لال صاحب تشریف لے آئے اور مولوی محمد قاسم صاحب نے یہ فرمانے لگے کہ بعد مغرب پادری اسکاٹ صاحب غیر ہم بھی آپنچے اور گفتگو کے متعلق شرائط سن کر یہ فرمانے لگے کہ دس کے لئے ایک گھنٹہ سے کم نہ ہونا چاہیو اس باب میں مسلمانوں کی رائے ٹھیک ہے کیونکہ ایک گھنٹہ سے کم میں کوئی کیا بیان کر لگا۔ اسلئے پادری نوٹس صاحب غیرہ نے مجھے پوچھا ہے کہ آپ جو دس کے لئے ایک گھنٹہ تجویز کرتے تھے اب ہم بھی وہی تجویز کرتے ہیں۔ اسپر مولوی صاحب نے فرمایا اب ہم کو منظور نہیں ہم نے تین گھنٹہ تک مغربی کی ادبیزار منت پادری صاحب سے عرض کیا کہ کم سے کم ایک گھنٹہ دس کے لئے رکھیے مگر پادری صاحب نے ایک سو سی۔ اب پادری اسکاٹ صاحب نے کہا تو ہم سے کہتے ہیں کہ اچھا ایک ہی گھنٹہ سی۔ ہم پادری صاحب کے محکوم نہیں۔ پادری صاحب اس میلے کے حاکم نہیں کہ جو وہ چاہیں سو ہو۔ اسکے بعد منشی صاحب نے مولوی صاحب نے یہ کہا کہ ہم کو ایک گھنٹہ سے انکار نہیں ہے پادری صاحب کو ذرا اصرار مانا بھی چاہئے۔ ہم کو انکا شرمانا منظور ہے۔ اول انکو شرم کر پھر اجازت دی جائیگی۔ پھر مولوی صاحب نے منشی صاحب سے کہا

اب شاید پادری صاحب یہ بھی درخواست کریں کہ پادری اسکاٹ صاحب بھی مناظرہ کرنے والوں میں داخل کئے جائیں۔ اور وہ جو آج پانچ پانچ آدمی گفتگو کے لیے مقرر ہوئے تھے۔ اور انکے نام معین ہو گئے تھے وہ شرط بھی ترمیم کیجائے۔ منشی صاحب نے کہا کہ ہاں وہ اس بات کے بھی خواستگار ہیں اور اسکے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اہل اسلام چاہیں تو وہ بھی کسی آؤر کو شامل کر لیں۔ ہر چند یہ بات عین مطابق لائے مولوی صاحب کے تھی۔ کیونکہ مولوی محمد علی صاحب بھی بعد مغرب ہی تشریف لائے تھے۔ اور بوجہ کمال علی مولوی صاحب موصوف مولوی محمد قاسم صاحب اور تمام مناظرین اہل اسلام کی یہ آرزو تھی کہ ان کا نام بھی مناظرین میں داخل کیا جائے بلکہ بلحاظ تشریف آوری منشی اندمن ان کا مناظرین میں داخل ہونا ضرور تھا بلکہ حاصل سی لائے ان کو تکلیف دی گئی تھی۔ مگر تاہم بغرض مکافات درشتی پادری صاحب الزام حجت اسوقت بظاہر مولوی صاحب نے ہی فرمایا کہ بعد تقرر شرائط تغیر و تبدیل ممکن نہیں جو ہو چکا سو ہو چکا اور پھر یہ فرمایا کہ منشی صاحب مجھ کو کسی بات پر خواہ مخواہ اڑ نہیں کر ہاں پادری صاحب کی اس کج رائی پر کہ ہم منتیں کریں اور وہ تسلیم نہ کریں بالفعل ہمارے یہی جواب ہے کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا آپ ان کو سنا دیں باقی جو کچھ ہو گا وقت پر دیکھا جائیگا۔ پھر منشی صاحب کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ منشی صاحب اپنے دیکھا پادری صاحب نے کیسے جیہ بیان کیے اور کس کس طرح اہل اسلام کو انہماک مطالبہ اثبات مدعا سے مجبور کرتے ہیں کہیں کہتے ہیں وہ وعدے زیادہ مباحثہ نہ ہو کہی فرماتے ہیں چار منٹ حد نہایت میں منٹ سو زیادہ درس کیلئے وقت نہ دیا جائے۔ کوئی پادری صاحب کے پوچھے کہ پہلے سے کون اپنے مطالب کو ناپ تول کر لاتا ہی جو وقت قلیل محدود الطریقین میں بیان کرے۔ اور نہ ہی مباحثہ چار پانچ منٹ یا دس میں منٹ میں کوئی کیونکر پورا کر سکتا ہے۔ بلکہ مولوی صاحب نے بعض مواقع میں یہ بھی فرمایا تھا کہ جسکے مذہب میں ایک دن فضیلت ہو وہ دو چار منٹ میں بیان کر سکتا ہی ہے جسکے مذہب میں ہزاروں فضائل ہوں وہ اتنے تھوڑے عرصہ میں کس طرح بیان کر سکتا ہے منشی صاحب نے مولوی صاحب کے اس فرمانے پر فرمایا واقعی

اتنا ہلکے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پادری صاحب آپ کے گھبرتے ہیں اور انہیں آپ کے مقابلہ کی طاقت معلوم نہیں ہوتی۔ پھر مولوی صاحب نے فرمایا منشی صاحب ہلکے آپ کے یہ بڑی شکایت ہے کہ ہم اور پادری صاحب دونوں آپ کے بلاتے ہوئے دونوں آپ کے مہمان ہیں۔ آپ کو لازم تھا دونوں کو برابر سمجھتے مگر جب آپ اٹھتے ہیں انہیں کی طرف دھلتے ہیں جب تاکید کرتے ہیں انہیں کی کرتے ہیں۔ انہیں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں منشی صاحب نے فرمایا ہم تو سہی کے خادم ہیں پر اتنا فرق ہے کہ پادری صاحبوں سے ناخوشی کا اندیشہ ہے۔ ڈرتا ہوں کہیں ناخوش ہو کر چلے نہ جائیں۔ اور آپ کے اخلاق و اسباب کا اندیشہ نہیں علاوہ بریں آپ تو سب کی مان لیتے ہیں اور پادری صاحب کسی کی نہیں مانتے خیر منشی صاحب تو چلے گئے اور مولوی محمد قاسم صاحب سیپس و پیش میں مولوی محمد علی صاحب کی خدمت میں موتی میان صاحب کے خیمہ میں تشریف لیگئے۔ باتوں باتوں میں موتی میان صاحب مولوی محمد قاسم صاحب کے فرمانے لگے۔ پندت دیا تند سرتی اور منشی اندر من آپ کی اور مولوی منصور علی صاحب کی بہت تعریف کرتے تھے اور آپ دونوں صاحبوں کی تقریر اور علم کے بہت مداح تھے بعد اُس کے موتی میان صاحب نے مہمان نوازی کو کام فرمایا۔ خاطر و تواضع سے سب کو مکلف کھانا کھلایا نماز عشا سے فارغ ہو کر ہر ایک کو سونے کی سوجھی۔ مگر علاوہ ساکنان شاہجہانپور و نواح شاہجہانپور دیوبند۔ میرٹھ۔ دلی۔ خوجہ۔ سنبھل۔ مراد آباد۔ رامپور۔ بریلی۔ تلہر تک بعض بعض شائق تشریف لائے تھے اور سب ملکر ایک مجمع کثیر ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ خیمہ جو موتی میان صاحب نے خاص باہر کے مہمانوں کیلئے حسب استدعا مولوی محمد قاسم صاحب کے نصب کر دیا تھا کافی نظر نہ آیا اور اوپر دم کی یہ کیفیت کہ شب کو کسی دن کم کسی دن زیادہ سردی ہو کر تھی تھی۔ اُس روز اتفاق سے زیادہ سردی تھی پھر اسپر جنگل کی ہوا دریا کا کنارہ شب کا وقت اور درختوں کی آڑ اور خیمہ کے سایہ کے سوا اور کوئی بچاؤ نہ تھا۔ سردی کو گویا سمجھ کر سامان سرمائی اکثر صاحب ساتھ لائے تھے۔ مولوی محمد قاسم صاحب کو اوروں کا فکر ہوا۔ موتی میان صاحب کی خدمت میں جا کر یہ سب

ساتھ لے گیا کہ دوبارہ شرائط مناظرہ آپ نے انہیں کی سی کہی۔ حالانکہ بذریعہ تحریر بواسطہ موتی میان صاحب مولوی صاحب کی درخواستیں دوبارہ شرائط منشی صاحب نے پیشتر منظور کر لیں تھیں ۱۲ منہ

ماجر بیان کیا اور یہ کہا کہ آپ کے ہمان بکثرت ہیں۔ وہ خیمہ جو آپ نے ہمانوں کے لئے کھڑا کرایا تھا کافی نہ ہوا۔ اب بجز اسکے چارہ نہیں کہ آپ اجازت دیں جن صاحبوں کو بٹے ملے وہ آپ کے خیمہ میں آرام کریں۔ مگر موقی میاں صاحب کے اخلاق کریمانہ اور ہمان نوازی کی کیا تعریف کیجئے سنتے ہی یکمال اخلاق یہ فرمایا۔ مولوی صاحب یہ بات آج آپ کے پوچھنے کی نہیں۔ آج تو میں آپ کے پوچھوں تو بجلہ ہے کہ میں کہاں سوؤں؟ مگر اتنی ہمت دیجئے کہ جو صاحب باقی ہیں وہ کھانا کھالیں۔ القصۃ کچھ یہاں کچھ وہاں جہاں کسی کو جگہ ملی سر رکھ کر بیٹ گیا۔ صبح ہوتے ہی پھر وہی ذکر و فکر تھا جو آیتنے میں ساڑھے سات بج گئے۔

## کیفیت جلسہ روز دوم

ساڑھے سات بجتے ہی گفتگو کر نیوالے اور سننے والے سب میدان مناظرہ میں اکٹھے ہوئے اہل اسلام بھی بسم اللہ کر کے پہنچے۔ جب سب اپنے اپنے ٹھکانے پر بیٹھ گئے تو اُس وقت پوری نولس صاحب غیرہ نے مولوی محمد قاسم صاحب اسبات کی درخواست کی کہ وقت وعظ بڑھادیا جائے اور آج ہمارے پادری اسکاٹ صاحب سے ملینگے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کل ہم بہ ہزار منت آپ سے اسبات کے خواستگار رہے کہ کم سے کم درس کیلئے ایک گھنٹہ عنایت کیجئے ہماری التماس اور عجز و نیاز پر تو آپ نے نظر نہ فرمائی۔ آج اگر کسی کے کہنے سننے سے اپنا اللہ نظر آیا تو آپ ہم سے اسی بات کے خواستگار ہوتے ہیں جس کا ہم سے انکار کر چکے ہیں جو ہو چکا ہو چکا اب کیا ہوتا ہے نہ وقت مقررہ میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ نہ پادری اسکاٹ صاحب کو درس کی اجازت ہو سکتی ہے۔ یہ بات وقت تجویز شرائط کیساتھ گئی۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ ذرا اسکے یہ معنی ہوئے کہ ہم باوجودیکہ رکن مباحثہ ہیں مباحثہ کے حساب سے کمال عدم ہیں جو کچھ ہوئے آپ ہی ہوئے۔ اسپر پادری نولس صاحب نے فرمایا آپ پادری اسکاٹ صاحب ڈرتے ہیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا میں تو خدا کی عنایت سے پادری اسکاٹ صاحب کے استاد ہوں تو ان سے بھی نہ

ڈروں بلکہ انشاء اللہ تک تمام پادری بھی اکٹھے ہو جائیں تو نہیں ڈرتا۔ مجھ کو فقط یہ بتلانا تھا کہ  
 بات کو مقرر کر کر اگر کون قائم رہتا ہے اور کون پھر جاتا ہے۔ ہمارا تو یہ قول ہے کہ گھنٹہ ڈیڑھ  
 گھنٹہ دو گھنٹہ جس قدر چاہیں آپ درس کیلئے مقرر کریں جس کو چاہیں درس کیلئے تجویز کریں۔ ہم طرح  
 سے موجود ہیں۔ پر آپ کی طرف سے پادری اسکاٹ صاحب محل مناظرہ کئے جاتے ہیں تو ہم جناب  
 مولوی محمد علیہ صاحب کو شامل کرینگے۔ مگر ایسا یاد پڑتا ہے کہ گفتگو ہو ہو اگر تینوں فریق کی  
 رضا سے یہ بات مقرر ہوئی کہ آدھا گھنٹہ درس کیلئے ہے۔ اور دس دس منٹ اعتراض جواب کے  
 لئے دیئے جائیں۔ اسی اثنا میں یہ جھگڑا بھی ہوتا رہا کہ اول کون کھڑا ہو۔ مولوی محمد قاسم صاحب  
 نے چند بار فرمایا کہ اگر اور صاحب اول کھڑے ہونیسے گھبراتے ہیں تو مجھ کو اجازت ہونیں سب  
 میں اول کھڑا ہوتا ہوں۔ جب یہ مرحلہ طے ہو چکا تو پادری صاحبوں نے اور پٹی کھائی۔  
 کیا فرماتے ہیں اُن سوالات میں سے جو نشی پیاے لال کی طرف سے پیش ہوئے۔ اول سوال  
 چہارم میں گفتگو ہونی چاہیے۔ مولوی محمد قاسم صاحب نے فرمایا اگر لحاظ اثبات و تحقیق مذہب سے  
 تو جیسا ہم کل عرض کرتے تھے۔ اول ذات باری میں گفتگو ہو کہ ہے یا نہیں۔ اور ہے تو ایک  
 ہے یا متعدد۔ پھر صفات باری میں گفتگو ہو کہ صفات مخصوصہ ذات خالق کیا کیا ہیں اور کون  
 کون سے صفات اُن میں پائے جاتے ہیں کون سے نہیں پائے جاتے۔ پھر تخلیقات جناب  
 باری میں گفتگو ہو یعنی جیسے آئینہ وغیرہ میں آفتاب وغیرہ کی جلوہ افروزی ہوتی ہے۔ خدا کی جلوہ  
 افروزی کس کس چیز میں اور کہاں کہاں ممکن ہے۔ اُسکے بعد نبوت میں گفتگو ہو کہ انبیاء  
 علیہم السلام کی ضرورت ہے کہ نہیں اور کون کون نہیں اُسکے بعد احکام میں مباحثہ ہو کہ کونسا حکم  
 اصول مذکور پر منطبق ہو سکتا ہے اور کونسا حکم منطبق نہیں ہو سکتا اور کونسا حکم قابل تسلیم ہے  
 کونسا نہیں۔ اگرچہ بروئے انصاف بعد ثبوت نبوت شخص معین و محنت روایت عقل ثار یا  
 سے احکام کی بھلائی بُرائی کی تفتیش امر بالمعروف نہایت ہے۔ کیونکہ عقل سے کام ہو سکتا  
 تو انبیاء علیہم السلام کی ضرورت ہی کیا تھی اور نبی کا کہنا واجب التسلیم ہوگا تو پھر جو کچھ وہ فرمائیں



برسر و چشم۔ بہر حال اگر اثبات و تحقیق مذہب پر نظر ہے تو ترتیب عقلی یہ ہے جو ہم نے کل عرض کی۔ اور اگر اثبات مذہب کچھ بحث نہیں منشی پیائے لال صاحب ہی کے فرماتے کا اتباع ہے تو جو ترتیب انکی تجویز کی ہوئی ہے اُسکے موافق کام کیا جائے۔ با اینہم ہم اسپر بھی راضی ہیں۔ اگر پنڈت صاحب غیرہ مناظران ہنود راضی ہو جائیں۔ غرض اہل اسلام کی طرف سے کسی امر میں یہ اصرار نہیں ہوا کہ یوں ہو یوں نہ ہو۔ مگر ہندوؤں اور عیسائیوں کی طرف سے دربارہ سوالات اور تعیین اوقات البتہ اصرار رہا۔ ہندوؤں نے جو سوالات مذکورہ کی نسبت اصرار کیا اور درس کے وقت بڑھانے پر راضی نہ ہوئے تو اُس کی وجہ یہ تھی کہ حسب بیان بعض معتبرین سوالات مذکورہ پنڈت دیانند کے تجویز کئے ہوئے تھے۔ گو بظاہر سائل منشی پیائے لال تھے چنانچہ سوالات خود کہے دیتے ہیں کہ کس نے تجویز کئے۔ اولاً ہر شخص جو شخص خود سوالات تجویز کرے گا اور وہ بھی اسطور پر کہ ایک ہفتہ پہلے سے اسی کام کیلئے آیا ہو گا اُن سوالات کے جوابات میں کچھ وقت نہیں ہوتی۔ ہاں جو شخص پہلے سے بے خبر ہو اس قسم کا سامان کتاب کے ساتھ نہ ہو اسکی دشواری دیکھنی چاہیے۔ اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اُن کو افزائش وقت سے اول ذل انکار رہا۔ یہ بجا ہو گا ہم تو سمجھے سمجھائے ہوئے ہیں جو کچھ ہو گا جھٹ پٹ بیان کر دیں گے۔ پر جو شخص پہلے سے بیخبر ہو وہ اگر کچھ بیان بھی کرتا ہے تو بدقت اور بدیر بیان کرتا ہے۔ با اینہم عجب نہیں پنڈت صاحب کو یہ بھی خیال ہو کہ پادری لوگ تو فلسفہ اور انبیات سے بے خبر ہی ہوتے ہیں اہل اسلام اُن میں اگرچہ ان علوم کو ایسا جانتے ہیں کہ عالم میں اب انور کوئی نہیں جانتا۔ مگر جو صاحب پادریوں کے مباحثہ کا شغل رکھتے ہیں وہ صاحب اکثر ان علوم سے بے بہرہ ہوتے ہیں وہی صاحب تشریف لائے ہونگے۔ ان سوالات کے جوابوں میں خواہ مخواہ بچائی گئے۔ ہاں اور قسم کے سوالات پیش کئے گئے تو پھر اہل اسلام سربازی جیتی البتہ امجال ہو۔ علاوہ ہر برس جلسہ سال گذشتہ میں اہل اسلام کی ترقی و ترقی کی گفتگو کے افسانے سُنے ہوئے تھے اسلئے یہ چال چلنی مناسب سمجھے۔ اور پادری



نوس صاحب غیرہ جو ان سوالوں پر اڑے ہوئے تھے تو اُسکی دوجہ معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ مولوی محمد قاسم صاحب نے جو ردِ اَوّل دربارہٴ تغیرِ سوالات بطورِ مشاّرالیہ بہت کچھ کہا سنا تو وہ بھی مثلِ نشت صاحبِ شاہجہانپور سمجھے کہ ان سوالوں کے جواب میں یہ لوگ عاری ہیں انہیں سوالات میں گفتگو ہو تو بہتر ہے ہلکو جواب آئے کہ نہ آئے پر کسی طرح سینہ سے سال گذشتہ کا داغ جائے۔ پارسل کا اہل اسلام کا غلبہ کسی طرح خاک میں مل جائے۔ گو ہم بھی لا جواب ہیں۔ مگر اس مجمع میں ہم کو کوئی کیسکا تو بعد ہی میں کیسکا اول بدنام ہو گئے تو اہل اسلام ہی ہو گئے۔

شاوم کہ از رقیبا امن کشاں گذشتے | گو مشب خاک ما ہم بر باد رفته باشد

یہ نہ سمجھے کہ مولوی محمد قاسم صاحب کا التماس خدا جانے کس غرض سے ہو۔ دوسرا سوقت تک اُن کو یہ بھی بھروسہ تھا کہ پادری اسکاٹ صاحب علمِ معقول میں یکتا ہیں سالہ منطق کی تصنیف پر سرکاری پانسور و پیہ انعام پا چکے ہیں شام تک آجائینگے۔ آج جوں توں دن کو ملاؤ چنانچہ یہی ہوا کہ ردِ اَوّل صہارہ اور انکار ہی میں وقت جلسہ گذر گیا اور گفتگو نہ ہونے پانی گرشام کو پادری اسکاٹ صاحب تشریف لائے تو سوالات کو سن کر گھبرائے اسلئے اسبات کے مستدعی ہوئے کہ سوال چہارم میں اول گفتگو ہوا اور دربارہٴ وقت دس اگرچہ پادری نوس صاحب نے غالباً بلحاظ وسعتِ تقریر مناظرانِ اہل اسلام جو سال گذشتہ میں دیکھ چکے تھے بہت کچھ تنگی کرنی چاہی۔ چارمنٹ کی بدشواری میں منٹ پر آئے اور باوجودیکہ اُن کو یاد دلایا گیا کہ سال گذشتہ میں آپ باوجود اصرار اہل اسلام پندرہ منٹ سے زیادہ نہ بڑھے۔ اور پھر خود اپنے درس کی وقت آپ کو مولوی محمد قاسم صاحب سے پندرہ منٹ کے بعد اور پندرہ منٹ کی اجازت یعنی پڑی۔ اس تجربہ کے بعد بھی آپ ہی کہتے جاتے ہیں۔ انہوں نے ایک مانی۔ لیکن پادری اسکاٹ صاحب کو اپنے دن بھی نظر آئے اسلئے باوجودِ تقریرِ شرائط شرط وقت میں ترمیم کی تدبیر کے پلے ہوئے۔ کمی کو زیادتی کی بطف آئے مگر اہل اسلام کی بطف سے ردِ اَوّل تو دربارہٴ شرائط کچھ کرا رہا ہوا اور سوالات میں اسلئے کہ مطلب اصلی یعنی تحقیق مذہب باقی آئے۔ حاضران جلسہ جو اکثر اسی امید میں آئے ہیں محروم نہ جائیں۔ علاوہ بریں اس قسم کی باتیں

چونکہ اکثر کانوں میں پڑتی رہتی ہیں ہر کوئی سمجھ سکتا ہے جو باتیں کبھی سنی بھی نہیں اُنکو کُن سمجھ گیا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسطرح سے دوسروں کی نسبت اپنی در ماندگی اور عجز کا ایسا مانتصور ہوتا کہ اس بنا پر حریف تو مغرور ہو جائے اور حاضران جلسہ کو اُن سے کچھ امید ہے پھر اسکے بعد حریف کو پچھاڑا تو زیادہ لطف ہو گا اور سب کو یاد رہیگا مگر آخر کار بایں خیال کہ مبادا حاضران جلسہ کو گریز کا وہم ہو اور پادری لوگ اور پنڈت لوگ یہ کہتے پھریں کہ اہل اسلام گریز کر گئے مولوی محمد قاسم صاحب نے یہ فرمایا کہ ہم ہر طرح سے آمادہ ہیں۔ پنڈت صاحب کو راضی کر لیجئے مگر پنڈت صاحب راضی نہ ہوئے۔ آخر کار منشی پیاسے لال کی اُٹے پر منحصر رکھا گیا۔ مگر اُنہوں نے بھی اُسوقت پنڈت جی کی سی ہی کہی۔ یہ کہا کہ میری اُٹے میں بھی یہی جو کہ گفتگو ہو تو حسب ترتیب حالات ہوا سنے پادری صاحب کو مجبور ہونا پڑا اور یہ کہا کہ میں کل بعد شام آیا تھا عیسائی بھائیوں نے مجھ سے یہ کہا کہ کل تم کو سوال چارم کا درس دینا پڑیگا میں نے اُسی سوال کو دیکھ بھال سوچ سمجھ کھا تھا۔ مگر جب آپ صاحب نہیں مانتے تو مجبوری میں اُسی سوال کا درس دیتا ہوں جو اُن حالات میں اول ہو۔ وہ سوال یہ تھا۔ خدا نے دُنیا کو کب پیدا کیا اور کاہے سے پیدا کیا اور کیوں پیدا کیا۔ غرض اس سوال کا جواب دینے کے لئے پادری اسکاٹ صاحب اس چوکی پر تشریف لائے جو گفتگو کر میوالوں کیلئے بیچ میں بچھائی گئی تھی اور یہ فرمایا۔ سائل جو یہ پوچھتا ہے کہ خدا نے دُنیا کو کاہے سے پیدا کیا اسکا جواب تو یہ ہے کہ نیستی سے پیدا کیا۔ اپنی قدرت سے پیدا کیا اپنے ارادہ سے پیدا کیا۔ اور یہ جو وہ پوچھتا ہے کہ کب پیدا کیا۔ یہ بات قابل سوال نہیں۔ اس سو بندہ کو کیا مطلب ہے کہ کب پیدا کیا جو اُسکی تحقیق کیجئے۔ غرض مباحثہ مذہبی سو اسکو کچھ تعلق نہیں اور نہ کتبِ مہب کی رُو سے اسکا ثبوت ہو سکتا ہے۔ البتہ مؤرخین ہمیں کچھ لکھتے ہیں سو انکو اقوال خود مختلف ہیں مگر اتنی بات یقینی ہو کہ عالم کے وجود کے لئے ایک ابتداء ہی رہی یہ بات کہ کیوں پیدا کیا اسکا جواب یہ کہ اُسکا خوشی جو اُسکے جی میں آیا اُسے کیا۔ عالم کے بنانے میں اسکا کچھ نفع نہیں اگر ہو گا تو کسی اور جی کا نفع ہو گا۔ خلاصہ جواب پادری صاحب تو اتنا ہی ہے۔ اگرچہ

الفاظ اتنے کچھ تھے کہ ایک وسیع وقت پاوریا صاحب نے انکے بیان میں صرف کیا۔ خیر پوری صاحب تو فارغ ہو کر کرسی پر بیٹھے اور مولوی محمد قاسم صاحب کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا کہ پادری صاحب مطلب سائل ہی نہیں سمجھے۔ سائل کا یہ مطلب ہی نہیں کہ موجود ہونے سے پہلے معدوم تھا یا نہ تھا یا خدا نے جو عالم کو پیدا کیا تو اسکے بنانے میں قدرت کی یا کسی اور آلہ کو کام لیا اگر یہ مطلب ہوتا تو البتہ پادری صاحب کا یہ جواب مطابق سوال ہوتا۔ سائل کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ مادہ عالم کیا ہے۔ خداوند عالم نے عالم کو کس مادہ اور کس اصل سے بنایا۔ یہ کھمر منشی پیائے لال اور لالہ مکتا پر شاد و غیر ہم کی طرف متوجہ ہو کر استفسار مطلب سائل کا ارادہ کیا ہی تھا جو لالہ مکتا پر شاد نے کہا ہاں مولوی صاحب یہی مطلب ہے جو آپ نے بیان کیا۔ اسکے بعد مولوی صاحب نے فرمایا کہ جب پادری صاحب مطلب سائل ہی نہیں سمجھے تو انکا جواب سرسری لغو ہو گیا۔ سوال از آسمان جواب از ریمان اسی کو کہتے ہیں۔ ہاں جواب سائل ہم بیان کرتے ہیں حاضران جلسہ متوجہ ہو کر سنیں۔ عالم کو خداوند عالم سے ایسی نسبت سمجھیے جیسے دھوپ کو آفتاب سے نظر آتی ہے جیسے آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اسکے نور سے عالم منور ہو جاتا ہے اور غروب ہوتا ہے تو اسکا نور اسکے ساتھ چلا جاتا ہے اور روئے زمین و آسمان تیرہ و تاریک جاتے ہیں ایسے ہی ارادہ ایجا و خداوندی و مخلوقات موجود ہو جاتے ہیں۔ اسکے ارادہ فنا سے مخلوقات فنا و معدوم ہو جاتے ہیں جیسے دھوپوں کا مادہ وہ نور آفتاب ہی جو اس کی لیکر دور دور تک پھیلا ہوا ہے اور تمام زمین و آسمان کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے ایسے ہی تمام مخلوقات کی ہستی کا مادہ خدا کا وہ وجود ہے جو تمام کائنات کو محیط ہے اور سب کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے جیسے

لے مخلوقات کا قبل پیدائش معدوم ہونا ایسا نہیں جو کوئی یہ جانتا ہو جو ثبت الٰہی علی ہذا لقیاں خالق کا صاحب اختیار اور صاحب قدرت ہونا بھی یہی ہے یہ بھی لائق استفسار نہیں۔ البتہ مادہ عالم ایسی چیز ہے کہ اسکی حقیقت ہر کسی کو معلوم نہیں اسلئے مولوی صاحب نے یہ فرمایا تھا کہ مطلب سائل کا وہ نہیں جو پادری صاحب سمجھتے تھے بلکہ مطلب سائل اور ہی کچھ ہے ۱۱۔ سنہ ۱۲۵۷ھ کہنے کو تو منشی پیائے لال میٹھے کے باب میں زیادہ مشہور تھے مگر دیکھنے بھانسنے سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ لالہ مکتا پر شاد پر بھی مشرب یک دہم ہیں ۱۲۔ سنہ

دھوپوں کی روشنی کی اصل آفتاب کا نور مذکور ہو اور دھوپوں کے اشکال مختلف مربع مثلث منحرف دائرہ وغیرہ موافق تقطیعات صحن روشنندان وغیرہ اسپرعارض ہو جاتے ہیں ایسے ہی مخلوقات کی ہستی اور وجود کی اصل تو خدا کا وجود مذکور ہے پر اشکال مختلفہ مخلوقات جنکے ویسے سے ایک کو دوسرے سے تمیز کر سکتے ہیں موافق علم خداوندی اسپرعارض ہو جاتی ہیں غرض جیسے کشتی اور کشتی میں بیٹھنے والوں کی حرکت تو ایک ہوتی ہے پر کشتی اور کشتی میں بیٹھنے والے باہم مغائر ہوتے ہیں۔ کشتی اور ہے اور کشتی نشین اور۔ پھر میں اور ہوں اور تم اور۔ اور ایسے ہی خداوند عالم اور عالم کا وجود تو واحد ہے پر خدا اور ہے اور عالم اور میں اور ہوں اور تم اور ہو۔ غرض جیسے نور مذکور اور حرکت مذکور دونوں طرف منسوب آفتاب اور کشتی کی طرف انتساب صدور اور انتساب اولی اور ذاتی اور حقیقی ہو اور زمین اور کشتی نشین کی طرف انتساب وقوع اور انتساب ثانوی اور عرضی اور مجازی ہو ایسے ہی موجود احد دونوں طرف منسوب ہے۔ خدا کی طرف تو نسبت صدور اور ذاتیت اور حقیقت اور اولیت ہو اور عالم کی طرف نسبت وقوع اور عرضیت اور مجازیت اور ثانویت ہو جیسے دھوپوں کی شکلیں مربع ہوں یا مدور مثل نور آفتاب کی طرف سے صادر ہو کر اور اسیں سوز نکلا کر نہیں تیں اور اسلئے مثل نور اُس کی عطا اور اسکا فیض اور اسکی صفت نہیں بلکہ یوں کہتے ہیں کہ آفتاب کے سبب پیدا ہو گئی ہیں آفتاب طلوع نہ ہوتا تو یہ شکلیں پیدا نہ ہوتیں ایسے ہی حقائق مخلوقات یعنی اُن کی اشکال میسرہ خواہ ظاہر ہوں جیسے حقایق اجسام یا باطنہ جیسے حقایق ارواح مثل وجود خدا کی ذات سے صادر ہو اور اُس سوز نکلا کر نہیں آئیں جو انکو فیض خداوند عالم اور عطا خداوند عالم اور صفت خداوند عالم کہیے بلکہ خداوند عالم کی ذات کے بدولت یہ تمام حقایق پیدا ہو گئے ہیں۔ اگر وہ ارادہ ایجاد نہ کرتا تو یہ کارخانہ پردہ عدم سے جلوہ گاہ وجود میں نہ آتا۔ اس صورت میں حقایق کی بھلائی بُرائی خالق کی بھلائی بُرائی کا باعث نہ ہوگی۔ وہ اشکال ہی بھلی بُری کسلائیں گی۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے صفو کا غزو و فریب پر

کوئی خوشنویس بھلے اور بُرے حرف لکھ دے ظاہر ہے کہ وہ حرف ہی بھلے یا بُرے معلوم ہونگے۔ کاتب اور خوشنویس اُنکے سبب بھلایا بُرا معلوم نہ ہوگا۔ ایسے ہی حقائق ممکنہ بھلائی یا بُرائی خدا کی بھلائی یا بُرائی کا باعث نہ ہوگی۔ وہ بھلائی اور بُرائی اُن حقائق تک ہی رہیگی۔ بالجلہ حقائق ممکنہ خدا سے بھی مغائر اور باہم بھی مغائر۔ البتہ مادۂ حقائق مذکورہ وہ وجود مشترک ہو جسکو خدا کی ذات سے وہ نسبت ہے جو آفتاب کی شعاعوں کو اُس کی ذات سے نسبت ہوتی ہو۔ مخلوقات اپنے وجود میں اُسکی ایسی ہی محتاج ہیں جیسی دھوپیں اپنے وجود میں شعاعوں کی محتاج ہیں یا حرارت آب گرم اپنے وجود میں حرارت آتش کی محتاج ہے چنانچہ مخلوقات کے وجود کی ناپائنداری اور آمد و شد ہی اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ انکا وجود خانہ زاد نہیں مستعار ہو۔ کسی ایسے کا فیض ہو جسکا وجود اسکا خانہ زاد اور اُسکی ذات کے ساتھ مثل حرارت آتش و نور آفتاب لازم و ملازم رہتا ہے۔ رہی یہ بات کہ خدا نے دُنیا کو کب پیدا کیا اُسکے جواب میں ہم پادری صاحب ہی کے ہمسفر ہیں۔ واقعی یہ بات از روئے مذہب قابل استفسار نہیں۔ اگر قابل استفسار ہو تو یہ بات ہے کہ کیوں بنایا۔ روٹی کی نسبت یا پوچھنا کہ کب پکی اور کب پکانی ایک امر لغو ہے۔ قابل استفسار ہو تو یہ بات ہو کہ روٹی کا ہے کے لئے پکانی جاتی ہے۔ سو غرض پیدائش عالم جو سوال اول کی تیسری شق ہو البتہ قابل استفسار اور لائق جواب ہے اسلئے ہم بھی عرض کرتے ہیں۔ مگر اول یہ عرض کرتے ہیں کہ پادری صاحب کا بہ نسبت غرض پیدائش یہ کہنا کہ اُسکا خوشی۔ یعنی خدا کی خوشی میں آیا عالم کو بنا دیا ایسی بات ہو کہ جسکو بعد متحقق مطلب پادری صاحب کوئی عاقل تسلیم نہیں کر سکتا۔ اسکا حاصل تو یہ ہوا کہ عالم کے پیدا کرنے میں کوئی غرض اور حکمت نہیں۔ یونہی جو خوشی میں آیا کر لیا۔ اگر یہ ہے تو یوں کہو پادری صاحب نے خدا کے افعال کو بچوں کے افعال کے برابر کر دیا۔ یہ شان بچوں کی ہوتی ہے کہ جو جی میں آیا کر لیا۔ جی چاہا بیٹھ گئے جی چاہا کھڑے ہو گئے۔ جی چاہا کودنے لگے۔ جی چاہا تھم گئے۔ کھانے کو جی چاہا کھالیا۔ سونے کو جی چاہا سوئے۔

خدا کجا اور یہ بات کجا اُسکے افعال میں بھی حکمت نہ تو اور کسکے افعال میں حکمت اور مصلحت ہوگی اُسکے بندوں میں تو یہ صفت ہو کہ جو کریں اُسکے لئے کوئی نتیجہ سوج لیں۔ کوئی حکمت اور مصلحت خیال میں بٹھالیں۔ خداوند عالم میں یہ عمدہ بات کیونکر نہ ہوگی۔ مگر ہاں یہ مسلم کہ مطالب مقصودہ دو طرح کے ہوتے ہیں کبھی تو یوں ہوتا ہے کہ کرنے والا نتیجہ افعال اور مقاصد اعمال کا محتاج ہو جیسے بیمار طبیعت نسخہ لکھوانے جاتا ہے تو اُسکو اُسکی حاجت ہوتی ہے۔ اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ افعال کا کرنیوالا اُسکے نتیجہ کا محتاج نہ ہو بلکہ کوئی دوسرا محتاج ہو اور اُسکی کارروائی مقصودہ ہو مثلاً اگر طبیب نسخہ لکھتا ہے تو بحیثیت طبیب کو اُسکی حاجت نہیں ہوتی بلکہ دوسری حاجت روائی مقصود ہوتی ہے۔ ایسے ہی خداوند عالم کو عالم کی پیدائش سے اُس قسم کا مطلب تو ہرگز مر کو زخا ط نہیں جسکی نسبت اُسکا محتاج ہونا لازم آئے۔ کیونکہ محتاج ہوگا تو خدا ہی کیا ہوگا۔ بلکہ خدائی کو یہ لازم ہے کہ تمام موجودات اپنے وجود میں اُسکے محتاج ہوں۔ چنانچہ ہم کل ثابت کر چکے ہیں کہ اُسکے افعال میں حکمت ہوگی تو دوسری ہی قسم کی ہوگی۔ چنانچہ عالم کے پیدا کر نیکے معنی بھی یہی ہیں کہ وجود اور لوازم وجود سے اُسکو سفر از فرمایا۔ ہاں البتہ اُن افعال میں جن میں دوسری قسم کی حکمت ہو خاص اپنی ذات کے لئے بجز اعزاز و تعظیم اور کچھ مقصود نہیں ہوتا۔ ہوتا ہے تو یہی ہوتا ہے بلکہ ضرور ہوتا ہے اسلئے یہ داد و دہش موجود صفات وجود بھی جو خلاصہ ایجاد ہے کسی نہ کسی غرض کے لئے ہوگی۔ وہ غرض کیا ہے عبادت و بندگی اور عجز و نیاز ہے جو اصل مطلوب خدا ہونا چاہئے۔ یعنی اور جس صفت کو دیکھئے خدا کی درگاہ میں اول موجود ہے۔ اور کوئی عالم ہی تو وہ علیم ہے۔ اور کوئی قادر ہے تو وہ قدیر ہے۔ اُسی کے علم و قدرت کا پر توہ ہی جو مخلوقات میں علم و قدرت نمایاں ہیں۔ یعنی جیسے آئینہ میں عکس آفتاب اور پر توہ آفتاب نظر آتا ہے درحقیقت آئینہ میں کوئی نور نہیں ہوتا ایسے ہی مخلوقات میں بھی عکس و پر توہ خداوندی ہے۔ درحقیقت ممکنات میں نہ علم ہے نہ قدرت

۱۔ چنانچہ عالم کے پیدا کرنے کے معنی بھی یہی ہیں کہ وجود اور کمالات وجود یعنی لوازم وجود سے اُسکو سفر از فرمایا یہ عطا اور نفع غیر نہیں تو اگر کہ اسے ۱۲ ص

اسلئے اس قسم کی صفات تو مطلوب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ صفات تو خود اُسی کے لئے ہوئے ہیں۔ مطلوب وہ چیز ہوگی جو اُس کے پاس نہ ہوگی۔ ایسی چیز بجز عبادت و عجز و نیاز اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہی ایک ایسی چیز ہے جو خدا کے پاس نہیں۔ خدا کی درگاہ میں اُس کا پتہ نہیں۔ مگر سائے عالم کا اس غرض سے مخلوق ہونا اسطرح پر ہو کہ سارا عالم انسان کے لئے ہے اور انسان اس کام کے لئے ہے۔ اس وقت باقی عالم اور انسان کی ایسی مثال ہوگی جیسے کہا کرتے ہیں گھاس دانہ گھوڑے کے لئے اور گھوڑا سواری کے لئے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس وقت میں گھاس دانہ سے مطلب بھی وہی سواری ہوگی۔ علیٰ ہذا القیاس روٹی کھانے کیلئے ہوتی ہے اور لکڑی اُپلے روٹی کے لئے ہوتی ہے۔ مگر سب جانتے ہیں کہ اس وقت لکڑیاں اور اُپلے بھی کھائے کیلئے مطلوب ہونگے۔ اس لئے لکڑی اُپلے وغیرہ سب کے دام لگا کر کہا کرتے ہیں کہ کھانے میں اتنا صرف ہوا۔ الغرض جو چیز کسی چیز کا سامان ہو وہ چیز اُسی حساب میں اور اُسی مد میں لکھی جاتی ہے۔ اور اُسی ذیل میں شمار کی جاتی ہے۔ مگر زمین سے آسمان تک جس چیز پر نظر پڑتی ہے انسان کے کارآمد نظر آتی ہے۔ پر انسان ان چیزوں میں سے کسی کے کام کا نہیں۔ اعتبار نہ ہو تو دیکھ لیجئے۔ زمین اگر نہ ہوتی تو کاہے پر تھمتے اور کاہے پر بیٹھتے۔ کاہے پر سوتے۔ کاہے پر چلتے پھرتے۔ کاہے پر کھیتی کرتے۔ کاہے پر مکان بناتے۔ کاہی پر باغ لگاتے۔ غرض زمین نہ ہوتی تو انسان کر جینا محال تھا۔ اور انسان نہ ہوتا تو زمین کا کچھ نقصان نہ تھا۔ علیٰ ہذا القیاس پانی نہ ہوتا تو کیا پیتے اور نہ پیتے تو کیونکر جیتے۔ کاہے سے آٹا گوندھتے اور کاہے سے سالن وغیرہ پکاتے۔ کاہے سے کپڑے وغیرہ دھوتے۔ کاہے سے نہاتے۔ غرض پانی نہ ہوتا تو انسان کی زندگی دشوار تھی۔ اور انسان نہ ہوتا تو پانی کا کیا نقصان تھا۔ ہوا نہ ہوتی تو سانس کیونکر چلتا۔ کھیتی وغیرہ کا کام کیونکر نکلتا۔ یہ ٹھنڈی ہوائیں روح افزا کہاں و آتیں۔ غرض ہوا نہ ہوتی تو جان ہوا ہو جاتی۔ ہم نہ ہوتے تو ہوا کو کیا وقت پیش آتی۔ اسطرح اُوپر



تک چلے چلو سوچ چاند تارے اگر نہ ہوتے تو دیکھنا بھانا چلنا پھرنا ایک امر محال تھا۔ انسان نہ ہوتا تو نہ سوچ کا نقصان تھا۔ نہ چاند سوچ کو کوئی دشواری تھی۔ آسمان اور اُسکی گردشیں نہ ہوتیں تو یہ سائبانی کون کرتا۔ اور یہ گرمی جاڑے کے موسم کیونکر آتے۔ اور انسان نہ ہوتا تو نہ آسمان کا نقصان تھا نہ گردشوں میں کوئی وقت تھی۔ الغرض انسان کو دیکھئے تو زمین آسمان میں کسی کے کام کا نہیں۔ پر ہوا اسکے جو چیز ہر سب انسان کے کام کی ہی۔ اس صورت میں اگر انسان خدا کے کام کا بھی نہ ہو تو یوں کہو کہ انسان سے زیادہ کوئی نکمہ ہی نہیں۔ مگر ہمیں فرماؤ کہ اس دانش و کمال اور احسن و جمال پر انسان کو کون نکمہ کہہ دیگا۔ اگر انسان اس فضیلتِ مسلمہ و مشورہ پر بھی نکمہ ہے تو یوں کہو اُس سے زیادہ بُرا ہی کوئی نہیں۔ اسلئے چار و ناچار یہی کہنا پڑیگا کہ انسان خالق جہان کے کام کا ہے۔ ایسی خوبی اور اس سلوبی پر ایسے ہی بزرگ کام کے لئے ہوگا۔ مگر ظاہر ہے کہ خداوند عالم کسی بات میں کسی کا محتاج نہیں پھر انسان سے محتاج کا تو کیا محتاج ہوگا جسکی سب سے زیادہ محتاجگی اسی سے ظاہر ہے کہ زمین سے لیکر آسمان تک تمام عالم کی اُسکو ضرورت ہو اسلئے ہی کہنا پڑیگا کہ اُسکو بندگی اور عجز و نیاز کیلئے بنایا ہے۔ کیونکہ یہی ایک ایسی چیز ہے جو خدا کے خزانہ میں نہیں۔ مگر چونکہ یہ عجز و نیاز خدا کے مقابلہ میں موافق تقریر بالا ایسا ہوگا جیسا طبیع کے سامنے بیمار کی منت و سماجت تو جیسے بیمار کی منت و سماجت کا یہ ثمرہ ہوتا ہے کہ طبیب اُسکے حالِ ناز پر مہربان ہو کر چارہ گری کرتا ہے ایسے ہی انسان کی بندگی یعنی عجز و نیاز کی بدولت خداوند عالم اُسپر مہربان ہو کر اُس کی چارہ گری کیونکر نہ کریگا۔ نہر حال تمام عالم انسان کے لئے ہے اور انسان عبادت کے لئو ہے اسلئے جیسے بایں وجہ کہ گھوڑا سواری کے لئے اور گھاس و دانہ گھوڑے کے لئے ہے تو گھاس اُٹانے کو بھی سواری ہی کے لئے سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی بایں وجہ کہ انسان عبادت کے لئو ہے اور تمام دنیا انسان کیلئے ہے تمام عالم کو بھی عبادت ہی کے لئے سمجھتے۔ غرض مقصودِ اصلی پیدائش عالم و عبادت ہو جو سامان حاجتِ روانی بنی آدم ہے۔ اپنی حاجتِ روانی



مقصود نہیں۔ اس قسم کے مضامین مولوی صاحب بیان کر رہے تھے جو میعاد معینہ ختم ہو گئی  
 اسلئے مولوی صاحب تو بیٹھے اور پنڈت صاحب کھڑے ہوئے مگر ہم نے سنا کہ منشی پاپی لال  
 منشی کتا پر شاد نے مولوی صاحب کے اس جواب کو سنکر یہ کہا۔ جواب اسکو کہتے ہیں یا یہ کہا جواب  
 تو یہ ہوا مگر جو کچھ کہا بجا کہا خیر مولوی صاحب تو بیٹھے اور پنڈت ویانند صاحب موقع  
 گفتگو پر تشریف لائے اور اپنے محاورات میں کچھ فرمانا شروع کیا۔ مگر چونکہ انکی زبان میں  
 الفاظ سنسکرت بہت ملے ہوئے تھے۔ بلکہ اکثر جملے کے جملے سوائے کے کا وغیرہ حروف  
 ربط کے سنسکرت میں ہوتے تھے تو سوائے دو چار آدمیوں کے حاضران جلسہ میں سے انکے  
 مطلب کو کوئی نہ سمجھا ہوگا۔ ہاں ایک دو بات اس قسم کی سمجھ میں آئیں کہ جیسے کما گھڑا  
 وغیرہ برتن بنانا ہے تو اوّل گارا ہونا ضرور ہے۔ گارا نہ ہو تو پھر برتن نہیں بن سکتا۔  
 ایسے ہی خدا نے جو اس عالم کو بنایا تو اسکا مادہ پہلے سے ہونا چاہئے۔ وہ بھی مخلوق ہو  
 تو پھر عالم کا بنانا ایسا ہوگا جیسے بے گائے برتن بنائے۔ غرض مادہ عالم قدیم ہے اور توہم  
 سے عالم کا وجود ہے اور ہمیشہ ایسا ہی چلا جائیگا۔ اور جیسا کہ پادری صاحب کہتے ہیں کہ  
 قدر بن آہی سے نیست سے ہر ت ہوا یہ بات معقول نہیں۔ کیونکہ نیست کوئی چیز نہیں۔  
 اس سے کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکتی۔ مگر ان دو ایک بات کے سوا اور کچھ کسی کی سمجھ میں  
 نہ آیا۔ یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ غرض پیدائش عالم انہوں نے کچھ بیان کی یا نہ کی۔ اور بیان  
 کی تو کیا بیان کی۔ ہاں اوروں کے بیان سے اتنا معلوم ہوا کہ پنڈت صاحب اسوقت  
 تنازع یعنی اوگون کے بھی مدعی ہوئے۔ خدا جانے اس دعویٰ کے لئے دلیل کیا پیش  
 کی ہوگی۔ الغرض اصل مطلب تو بوجہ وقت زبان معلوم نہ ہوتا تھا اسلئے مولوی محمد قاسم  
 صاحب نے عین اسوقت جس وقت پنڈت صاحب تقریر کر رہے تھے اپنی کرسی سے  
 اٹھ کر آہستہ سے منشی اندر من صاحب سے یہ کہا کہ آپ اگر خود کچھ بیان نہیں فرماتے  
 تو یوں ہی کیجئے کہ اوسے وقت میں تو پنڈت صاحب جو کچھ ان کو بیان کرنا ہو کر دیا کریں

اور آدھے وقت میں آپ اسکا ترجمہ کر دیا کریں۔ جو ہم بھی کچھ سمجھیں در نہ پھر نہ تسلیم کی کوئی صورت ہے نہ اعتراض کی کوئی جگہ۔ مگر منشی صاحب نے اسکے جواب میں کہا۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھ کو کہی لکھ دینے کا اتفاق نہیں ہوا۔ جو لوگ یہ کام کرتے ہوتے ہیں انہیں سے ہوسکتا ہے اسلئے میں معذور ہوں۔ خیر چار ناچار پنڈت صاحب نے جو کچھ سنایا سننا پڑا۔ جب فارغ ہوئے تو حسب ترتیب اول پادری اسکاٹ صاحب پھر کھڑے ہوئے۔ مگر باوجودیکہ وقت اعتراض تھا اپنی تقریر اول پیش کی۔ جب پادری صاحب اپنا کام کر چکے اور اہل سلام کی نوبت آئی تو مولوی محمد قاسم صاحب نے جناب مولوی محمد علی صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ نیاز مند تو پنڈت صاحب کی تقریر کچھ سمجھا نہیں اسلئے اب آپ ہی کو تکلیف کرنی پڑیگی۔ اگر میں کچھ سمجھتا ہوتا تو انشاء اللہ تا مقدور آپ کو تکلیف نہ کرنے دیتا۔ مگر مولانا محمد علی صاحب نے فرمایا میں بھی پورا پورا نہیں سمجھا۔ مگر مولوی محمد قاسم صاحب نے عرض کیا کہ میں کچھ بھی نہیں سمجھا اسلئے مولانا محمد علی صاحب اٹھئے اور یہ فرمایا کہ پنڈت صاحب کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عالم ازلی ہی اور مادہ بھی قدیم ہے۔ اور پیدا کیا ہوا کسی کا نہیں لازم آیا کہ مادہ واجب الوجود ہے۔ پس دو واجب الوجود موجود ہوئے اور توحید جاتی ہی علاوہ بریں ضرورت تسلیم باری تعالیٰ کی کیا رہی سو اسکے یہ بات ظاہر ہے کہ عالم مرکب ہے اور ترکیب کیواسطے حدوث لازم ہی۔ اس صوت میں قدم عالم بالبداهت باطل ہے پھر پنڈت صاحب کھڑے ہوئے اور حسب بیان اہل فہم اول تو انہوں نے پادری صاحب پر وہی اعتراض سابق کیا۔ بعد ازاں اپنے اوپر کے اعتراض کا جواب اسطور پر دیا کہ جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ہم اے بیان کو ہم اے مقابل فریقوں نے اچھی طرح نہیں سمجھا۔ ہم صرف مادہ عالم کو قدیم کہتے ہیں عالم کو قدیم نہیں کہتے۔ عالم کو اس مادہ کو خدا تعالیٰ نے ایجاد کیا اور چونکہ ایجاد کر نیوالا عالم کا خدا تعالیٰ ہی اسلئے خدا تعالیٰ کے ماننے کی ضرورت ہوتی۔ کیونکہ مادہ سے

خود بخود عالم پیدا نہیں ہو گیا بلکہ پیدا کر نیوالا عالم کا خدا تعالیٰ ہی۔ غرض خلاصہ بیان پنڈت صاحب یہ تھا۔ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ دس منٹ پڑے ہو گئے اسلئے پنڈت صاحب نے چوکی پر اُترے اور یہ یاد نہیں رہا کہ پھر کون کھڑا ہوا۔ ترتیب مشا را لہیہ تو یوں کہتی ہے کہ پادری صاحبوں میں سے کوئی کھڑا ہوا ہو چنانچہ اتنا یاد ہے کہ سوائے پادری اسکاٹ صاحب سی پادریوں میں سے بھی بعض صاحب اٹھتے تھے۔ مگر چونکہ انکی تقریر قابل التفات نہ تھی تو کچھ یاد نہیں! کہ انہوں نے کیا بیان کیا اور کیا نہ کیا۔ البتہ اتنا یاد ہے کہ اسی اشار میں ایک بار مولوی محمد قاسم صاحب پھر کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا کہ پنڈت صاحب جب کو مادہ قدیم کہتے ہیں اگر وہی وجود مذکور ہے جو کہنے مادہ عالم قرار دیا ہے تو چشم مارو شون دل ماشاد۔ پنڈت صاحب بھی ہمارے ہی ہم صیفر ہو گئے۔ اور اگر کچھ اور چیز ہے یعنی خدا کی صفت اور اسکی تجلی نہیں بلکہ ایک مستقل اور خدا کی ذات سے منفصل ہے تو وہ اگر مخلوق ہی نہیں بلکہ اپنے آپ ہی موجود ہے تو وہ خود خدا ہو گا۔ خدا اُسی کو کہتے ہیں کہ خود بخود موجود ہو۔ اپنے موجود ہونے میں کو خالق کی ضرورت نہ ہو اور اگر مادہ مذکور مخلوق ہے تو پھر اسکے قدیم ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ جو چیز اپنے آپ موجود نہیں کسی دوسرے کے موجود کرنے سے موجود ہے تو اسکا وجود اسکا خانہ زاد ہو گا اُسی کی عطا ہو گا جس نے اسکو موجود کیا۔ اور اسوقت اسکی ایسی مثال ہوگی جیسے زمین اپنے آپ منور نہیں آفتاب کے منور کرنے سے منور ہوتی ہے تو اسکا نور بھی عطا آفتاب ہی ہوتا ہے۔ مثل نور آفتاب خانہ زاد نہیں ہوتا۔ الغرض اگر مادہ مذکور مخلوق ہو گا تو یہ معنی ہونگے کہ خالق کے موجود کر نیسے موجود ہو ا جبکا حاصل یہ ہو گا کہ اسکا وجود اسکا خانہ زاد نہیں بلکہ عطا خالق ہے۔ مگر چونکہ عطا وجود مثل عطا نور مذکور ہے اسکے متصور نہیں کہ اُدھر سے وجود آئے اور جیسے آفتاب نور اگر زمین پر واقع ہوتا ہے اُسپر جو مشا را لہیہ اگر واقع ہو تو خواہ مخواہ ایک حرکت کا اُدھر سے اُدھر کو تسلیم کرنا بیڑیگا جبکا مبداء اُدھر ہو گا اور منتہا اُدھر اور ظاہر ہے کہ حرکت کی وجہ سے جو چیز حاصل ہوتی ہے اُن میں عدم ادل ہوتا ہے۔ اور وجود دوم یعنی حرکات مکانی اگر مثلاً ہوتی ہے تو کسی مکان تک

ہینچنے سے پہلے یہ شخص اُس مکان میں نہ تھا۔ بعد حرکت وہ مکان اُس شخص کو میسر آیا۔ اور یہ شخص اُس مکان میں آسایا اسلئے یہ کہنا پڑیگا اول وہ مادہ موجود نہ تھا پھر بوجہ عطار مذکور موجود ہو گیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات قدم کے مخالف ہے بلکہ اسی کو حدوث کہتے ہیں۔ علاوہ بریں ہر انقلاب کو حرکت لازم ہے۔ یہی وجہ ہے انقلاب طلوع و غروب کو دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ آفتاب متحرک ہے یا زمین متحرک ہے ورنہ خود آفتاب اور زمین کی حرکت قطع نظر انقلاب مذکور سے آنکھوں سے یا اور کسی طریقہ سے محسوس نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ علماء علم ہدیت میں اس باب میں اختلاف ہے۔

۱۔ مادہ مذکور جبکہ حکما مہیولی کہتے ہیں اگر مخلوق خداوندی ہے تو موافق قاعدہ مقرر شدت صاحب کو ہر مخلوق کیلئے مادہ اور مہیولی کی ضرورت ہے۔ خود اُس مادہ اور مہیولی کیلئے بھی مادہ اور مہیولی ہوگا اور پھر اُس مادہ اور مہیولی کی نسبت بھی یہی کہا جائیگا کہ اگر مخلوق ہے تو اسکے لئے بھی موافق قاعدہ مشار الیہ مادہ اور مہیولی کی ضرورت ہے علی ہذا اگلے تک چلو۔ اگر اسی طرح یہ سلسلہ الی غیر انتہائیہ چلا گیا تب تو تسلسل محال لازم آئیگا اور کہیں ختم ہو گیا تو پندت جی کا یہ قاعدہ غلط ہو جائیگا کہ مخلوقات کے لئے مادہ کی ضرورت ہے۔ اور اگر مادہ مذکور مخلوق نہیں تو خود خدا اور واجب الوجود ہوگا کیونکہ جو چیز خود موجود ہو کسی کی مخلوق نہ ہو تو اسکا خدا ہونا اور واجب الوجود ہونا دونوں ضروری ہیں اور کیوں نہ ہو جو خود موجود ہو وہ بھی خدا نہ ہو تو اذ کون ہوگا۔ اور جبکہ ہونا کسی کے ہونے پر موقوف نہ ہو بلکہ اوروں کا ہونا اس پر موقوف ہو تو اسکا ہونا بھی واجب ہوگا اور کسکا ہونا واجب ہوگا ورنہ خدا کا ثبوت بھی پھر دشوار ہے۔ خدا کی خدائی اسی سے معلوم ہوتی ہے کہ اوروں کا وجود مستقل نظر نہ آیا بلکہ اُن کا وجود کسی اور پر موقوف پایا۔ اُس موقوف علیہ کو خدا اور واجب الوجود کہتے ہیں۔ خدا اسلئے کہ وہ خود موجود ہے اور واجب الوجود اسلئے کہ موافق محاورہ عوام تو بوجہ توقف مذکور اسکا ہونا واجب ہے اور موافق محاورہ علماء بوجہ لزوم ذاتی وجود و فیما بین وجود خدائے واجب الوجود ضرورت نسبت کو مقتضی ہے۔ اسکے وجود کا ضروری ہونا حسب اصطلاح منطق لازم ہے۔ کیونکہ جب باوجود تحقق اسکا وجود عطار غیر نہیں یعنی مخلوق نہیں تو پھر اسکا وجود اُسی کا خانہ زاد ہوگا اور وصف خانہ زاد کو یہ لازم ہے کہ موصوف کے حق میں ایسی طرح لازم ذات ہو جیسے زوجیت اربع کو لازم ہے اور ظاہر ہے کہ لازم ذات موصوف کے حق میں ضروری الثبوت ہوتے ہیں انکا زوال و انفصال ممکن نہیں ہوتا مگر یہ ہے تو پھر وجود بھی ضروری ہے لیکن مادہ بھی واجب الوجود اور خدا ہوگا تو پھر توحید خداوندی جو بدلائل قاطعہ و عظام سابق میں ثابت ہو چکی ہے اور نیز سب کے مسلم ہے ایک بحث باطل ہو جائیگی۔ اسلئے یہ کہنا لازم ہے کہ مادہ عالم کوئی صفت خداوندی ہوتا کہ یہ قاعدہ بھی صحیح ہے کہ جیسے برتنوں کیلئے گائے کی حاجت ہے تمام مصنوعات کیلئے بھی کوئی مادہ چاہئے۔ اور یہ بات بھی غلط نہ ہو کہ خداوند عالم وحدہ لا شریک لہ کیونکہ واجب الوجود کا تعدد اگر محال ہے بطور استقلال محال ہے۔ چنانچہ دلائل ابطال تعدد سے جو عظام میں گزری ہیں خود ظاہر ہے۔

کہ آفتاب متحرک یا زمین متحرک ہے۔ اگر حرکت خود محسوس ہوتی تو یہ اختلاف کیوں ہوتا۔ سب کے سب ایک ہی چیز کو متحرک کہتے۔ الحاصل انقلاب حرکت پر موقوف ہے بجز حرکت انقلاب متصور نہیں۔ ورنہ انقلاب کی دیکھ کر حرکت کا یقین نہ ہو اگر تا مگر جس قسم کا انقلاب ہوتا ہے اسی قسم کی حرکت ہوتی ہے اور اسی قسم کی حرکت سمجھ میں آتی ہے۔ انقلابات طلوع و غروب وغیرہ چونکہ از قسم انقلاب مکانی ہیں تو حرکت مکانی کیطرت ذہن دوڑتا ہے یعنی مثلاً جب یوں دیکھتے ہیں کہ بعد صبح آفتاب طلوع ہوا تو اس کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ آفتاب مثلاً پہلے اور مکان میں تھا اب فوق پر آگیا علیٰ ہذا القیاس جب فوق سے گزر کر سر پر آفتاب آتا ہے تو اس کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ آفتاب مکان اول سے جو فوق سے ہیں اس مکان میں آگیا جو نصف النہار کہتے ہیں۔ مگر چونکہ یہ انقلاب مکانی ہے تو حرکت مکانی ہی ذہن میں آتی ہے حرکت کثیفی یا حرکت کمی یا حرکت وضعی سمجھ میں نہیں آتی اس لئے انقلاب جود و عدم کو حرکت وجودی اور حرکت عددی نام ہوگی۔ مگر مخلوق ہونا ایک انقلاب جود و عدمی ہے کیونکہ مخلوق اسی کو کہتے ہیں کہ پہلے نہ تھا اور پھر موجود ہو جائے اور ظاہر ہو کہ یہ انقلاب جود و عدمی ہے جبکہ انقلاب حرکت ہم جنس پر ولالت کرتی ہیں تو یہ انقلاب کیونکہ حرکت ہم جنس پر ولالت نہ کرے گا۔ جب قدر اور انقلاب ہیں وہ اسی انقلاب کے متضمن ہونے کے باعث انقلاب کہلاتے ہیں۔ اگر یہ عام اور مطلق اور انقلابات خاصہ اور مقیدہ میں ملحوظ اور ماخوذ نہ ہو تو پھر ان انقلابوں کا انقلاب ہونا بھی غلط ہے انقلاب مکانی کے یہی معنی ہیں کہ پہلے ایک چیز اس مکان میں تھی اب اس مکان میں موجود ہو گئی غرض وہی ہونا نہ ہونا جس کا حاصل وہی جود و عدم ہے انقلاب مکانی میں ملحوظ و ماخوذ ہوتا ہے اور اس سبب کہ وہ انقلاب ہے کہ انقلاب کہلاتا ہے اس لئے یہ ضرور ہو کہ اس انقلاب عظیم میں وہ بات بدرجہ اولیٰ ہو جو اور انقلابوں میں بوجہ انقلاب ہوتی ہے مگر وہ کیا چیز ہے یہی حرکت ہے جس کا ہم جنس انقلاب ہونا تقریر بالا سے روشن ہو چکا ہے لیکن حرکت مجانس انقلاب جود و عدم وہ حرکت وجودی و عدمی ہے اس لئے حرکت وجودی کا مخلوقات میں ماننا ہر قائل کے ذمہ ضرور ہے اور جو اس کا تسلیم کرنا لازم آتا ہے کیسے حرکت مکانی میں ہر دم نیا مکان آتا ہے اور اس کے سبب مکان اول خالی ہے ایسے ہی حرکت وجودی میں ہر دم ایک نیا وجود آتا ہے اور وجود سابق زائل ہو جائے گا جس سے ہر دم ایک نئے

عدم کا آنا لازم آئیگا۔ اس امتداد حرکت وجودی ہی کو زمانہ سمجھئے کیونکہ زمانہ سے اوپر اور کوئی ایسی چیز نہیں  
 جس میں مثل حرکات و زمانہ ایک نئی بات ہو اسلئے یہ یقین کامل ہوتا ہے کہ زمانہ ہی حرکت وجودی ہے جو  
 سب حرکات میں اول اور سب سے اوپر ہے اور کیونکہ وجود سے اوپر کوئی اور چیز ہو تو البتہ حرکت وجودی  
 اوپر بھی کوئی حرکت ہو مگر ہرچہ باوجود واجب حرکت وجودی واجب التسلیم ہوئی تو بانیوہ کہ حرکت میں  
 اول عدم اور پھر وجود آتا ہے چنانچہ اوپر عرض کر چکا ہوں۔ اور نیز ظاہر ہے کہ زمانہ اور عالم کے لئے ابتدا کا ہونا  
 تو ضروری ہے اور انتہا کا ہونا ضرور نہیں کیونکہ عدم سابق خود خدا اول ہو جائیگا جسکا حاصل ہی ابتداء  
 وجود ہے جو قدم عالم کے بالکل مخالف ہے اور انتہا کی جانب میں چونکہ وجود ہی عدم نہیں تو انتہا کا ہونا  
 ضروری نہوا۔ ہاں یہ بھی ضروری نہیں کہ برابر وجود ہی برابر چلا جائے اسلئے ابدیت یعنی مستقبل کی جانب  
 ہمیشگی اور انتہا دونوں برابر ہو گئے اور عقل کی ردی کوئی بات معین ہوئی فقط مدار کا مشاہدہ پر ہوا  
 یا اس بات پر کہ ارادہ خالق و بانی عالم کا کیا ہے کیونکہ جیسے اُس مکان کا حال جو بنایا جاتا ہے عقل سے  
 معلوم نہیں ہو سکتا معلوم ہوتا ہے تو یا تو مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے جو بالیقین بعد وجود میں آتا ہے  
 قبل وجود امکان مشاہدہ نہیں یا بنانیوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ کیا بنائیگا۔ اور یہ بات قبل وجود بھی ممکن ہے  
 ایسے ہی عالم کی کیفیت کہ کس تک بننا جائیگا یا تو مشاہدہ سے معلوم ہوگی جو بالیقین آئندہ کی بات ہے  
 یا خدا کے بتلانے سے معلوم ہوگی مگر حسب تقریر و عظم اشارۃ الیہ خدا تعالیٰ بجز انبیاء علیہم السلام اور کسی کو  
 راز کی باتوں کی اطلاع نہیں کرتا اسلئے دربارہ ابدیت و انتہا عالم انبیاء کے بیان کی پابندی ضرور  
 ہے۔ انہوں نے بحوالہ خداوندی اطلاع کر دی کہ ایک فرزند ایک فرزند یہ عالم نیت و نابود ہو کر پردہ  
 عدم میں مستور ہو جائیگا۔ اور پھر سب کو بعد مدت نئے سرے پیدا کر کے اپنے اپنے کردار کو پہنچائیں گے  
 اسی قسم کے مضامین مولوی صاحب بیان کر رہے تھے جو مدت معینہ پوری ہو گئی اسلئے وہ تو بیٹھے  
 اور گمان غالب یہ کہ اُنکے بعد پھر پنڈت جی کھڑے ہوئے کیونکہ وہ موافق ترتیب سول بعد اول  
 اسلام ہنود ہی کا نمبر تھا اور ہنود میں سوائے پنڈت صاحب اور کوئی صاحب اول سے آخر تک کھڑی ہی  
 نہیں ہوئے جو ادیسی کا احتمال ہوتا اسلئے یہ گمان ہوتا ہے کہ بعد مولوی صاحب متصل ہی پنڈت صاحب

کھڑے ہوئے۔ اگرچہ یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ عیسائیوں کی طرف سے بعض عیسیٰ پادری جو اس جلسہ میں کھڑے ہوئے تھے اور ایسی لاطائل تقریریں کی تھیں کہ جنکے سُننے کو بھی اہل جلسہ میں سے کسی کا جی نہیں چاہتا تھا چہ جائیکہ یاد رہتیں وہ بعد مولوی صاحب کھڑے ہوئے ہوں مگر اتنا یقیناً یاد ہو کہ سب پہلی تقریر جو اس جلسہ میں ہوئی وہ پنڈت صاحب کی تقریر تھی۔ اور یہ بھی یاد ہو کہ پنڈت صاحب ایک بار وقت اعتراض عیسائیوں پر اعتراض کر کے جب تقریر ختم کر نیکو ہوئی تو یہ کہا کہ کیا کہنے وقت ہو چکا ہے مولوی صاحب کی بات کا بھی کچھ جواب دیا جاتا۔ خدا جانے یہ اُن کا ارشاد واقعی تھا یا جیسا بظاہر معلوم ہوتا تھا مولوی صاحب کی تقریر پر لا جواب ہو کر یہ چال چلتے تھے مگر ہاں خیر تقریر میں جکے بعد جلسہ ہی برخاست ہو گیا۔ مولوی صاحب کی تقریر پر یہ اعتراض کیا کہ اگر مادہ عالم حسب تقریر مولوی صاحب صفت وجود خداوندی ہو تو خدا کا بُرائی کیسا تھ موصوف ہونا لازم آئیگا۔ کیونکہ مخلوقات میں بھلے بُرے سب ہیں اگر بھلوں کا وہ مادہ ہو تو بُرے کا بھی وہی مادہ ہوگا۔ اور اسلئے اُسکا بُرا ہونا لازم آئیگا۔ پنڈت جی تو یہ فرما کر فافغ ہوئے اور مولوی صاحب اُس چوکی پر پہنچے مگر چونکہ گیارہ بج گئے تھے یا بجنے کو تھے تو پادریوں نے فرمایا کہ بس جلسہ کا وقت ہو چکا۔ مولوی صاحب نے فرمایا دو چار منٹ ہماری خاطر سو اور ٹھیرئیے۔ بندہ درگاہ جھٹ پٹ پنڈت جی کے اعتراض کا جواب عرض کئے دیتا ہے مگر پادریوں نے نہ مانا اس پر مولوی صاحب نے پنڈت صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ پنڈت صاحب فقط آپ ہی ٹھیر جائیں وقت جلسہ ہو چکا ہے تو کیا ہوا دو چار منٹ خارج از جلسہ ہی ہے مگر پنڈت جی نے بھی نہ مانا اور یہ فرمایا کہ اب بھوجن کا وقت آگیا ہے اب ہم سے کچھ نہیں ہو سکتا جب مولوی صاحب نے دیکھا کہ پنڈت جی بھی نہیں مانتے۔ اور کیونکہ مانتے انجام کار آغاز سے نظر آتا تھا تو بنا چاری مولوی صاحب نے منشی اندر من صاحب کا ہاتھ پکڑ کر یہ فرمایا کہ منشی صاحب پنڈت صاحب تو نہیں سنتے آپ ہی سنتے جائیں۔ اور یہ کہہ کر فرمایا میں اس اعتراض کا جواب منشی صاحب سے قوت بیان اہل مطالب ہو چکا ہوں مگر پنڈت صاحب نے اسکا کچھ خیال نہ کیا اور جو اعتراض نہ کرتا تھا اور

۱۵۰ بلکہ بصورت یہ بات مدلل مرقوم ہو چکی تھی کہ بھلائی بُرائی مخلوقات کی خالق کی طرف عاید نہیں ہوتی یعنی مخلوقات کی بھلائی بُرائی سے خالق کو بھلا بُرا نہیں کہہ سکتے ۱۱



کے سنانے کو کر گئے ہیں۔ میں کہہ چکا ہوں کہ مخلوقات کو خدا تعالیٰ اور اُسکے وجود کیساتھ جو اُسکے حق میں بمنزلہ شعاع عمار آفتاب ہے ایسی نسبت ہو جیسے وہ پونکی تقطیعات مختلفہ کو جو روشندانوں کے کینڈوں اور صحن جانوں کے پیمانوں کے مطابق ہوا کرتے ہیں۔ آفتاب اور اُسکی شعاعوں کیساتھ ہوا کرتی ہو جس شخص نے اس مثال کو غور سے سنا ہو گا کہ جیسے تقطیعات مذکورہ کی بھلائی بُرائی اور سوا انکے اور احکام مختلفہ انہیں اشکال و تقطیعات تک پہنچتے ہیں۔ آفتاب اور نور آفتاب یعنی شعاع آفتاب تک نہیں پہنچتی۔ ایسے ہی مخلوقات کی بھلائی بُرائی خدا تعالیٰ اور اُسکے وجود تک نہیں پہنچ سکتی۔ اگر کوئی مثلث شکل کی وہوپ ہوگی تو بیشک اُسکے تینوں زوایے ملکر وہ قائلوں کے برابر ہونگے اور اُسکے دو ضلع ملکر تیسرے خط سے بڑی ہونگے۔ مگر ظاہر ہوا ان باتوں کو ذات آفتاب اور اُسکے اصل نور تک سائی نہیں۔ آفتاب اور اُسکے نور میں نہ زاویہ نہ اضلاع جو احکام اُس میں جاری ہوں۔ علی القیاس مخلوقات کی تقطیعات کے احکام خدا تعالیٰ اور اُسکے وجود تک نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ وہ ان یہ تقطیعات نہ انکے لازم جو بھلائی بُرائی کو جو اُسکے خواص میں سے ہیں اُس تک سائی ہو اور اس سبب سے اُسکا بُرا ہونا لازم آئے۔ یہ کہہ کر فرمایا آپ پنڈت صاحب کے یہ جواب سناؤں منشی صاحب نے فرمایا شاید وہ اس مضمون پر اور کچھ اعتراض کریں۔ مولوی صاحب نے فرمایا اس بات کا جواب پنڈت جی سے قیامت تک آئیگا۔ یہ لکھو مولوی صاحب جمع رقم اپنے ڈیرے کی طرف چل دیے اور منشی صاحب غیرہ اپنی اپنی فرودگاہوں کی طرف روانہ ہوئے۔ مگر مولوی صاحب ابھی خیمہ تک پہنچے تھے جو پادری نولس صاحب ایک اٹو ولایتی پادری جھپٹ کر آؤ اور مولوی صاحب سے فرماتے لگے آج چار بجے کے بعد پادری اسکاٹ صاحب درس دینگے آپ بھی اُس درس میں تشریف لائیگے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کل جو ہم نے آپ سے ایک گھنٹہ کی اجازت لیکر ایک گھنٹہ تک اپنے مذہب کے فضائل اور اُسکی حقانیت خارج از جلسہ چار بجے کے بعد بیان کئے تھے تو اُسکی یہ

لے مخلوقات کی بھلائی بُرائی جو خالق تک نہیں پہنچتی اور وہ پونکی اشکال کے احکام جو آفتاب و نور تک نہیں پہنچتے تو اصل وجہ اسکی یہ ہے کہ فاعل اور فاعل کے احکام تو مفعول تک جاتے ہیں اور مفعول کے احکام فاعل کی طرف نہیں آتے ورنہ فاعل مفعول اور مفعول فاعل ہو جاتا اور کمال کا جو بھی جہ کہ نور آفتاب پاخانہ و پیشاب و دش ہو جاتے ہیں پر پاخانہ و پیشاب سے نور آفتاب ناپاک نہیں ہوتا اور



وجہ ہوئی تھی کہ آپ جلسہ میں اتنا وقت نہ دیتے تھے کہ کوئی دل کھو لکر بیان فضائل کر سکے جب ہم نے آج آپ کو وقت میں وسعت دیدی تو پھر خارج از جلسہ تکلیف کرنے سے کیا فائدہ۔

پادری صاحب نے فرمایا اب تو آپ مہربانی کر کے اس بات کو قبول ہی کر لیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا بہت بہتر اگر پادری صاحب بس نیگے تو ہم بھی انشا اللہ سنیں گے۔ پادری صاحب نے پوچھا آپ اعتراض کریں گے مولوی صاحب نے فرمایا اگر اعتراض کی اجازت ہوگی تو بیشک اعتراض کریں گے۔ پادری صاحب نے فرمایا اعتراض کیلئے آپ کو کتنا وقت چاہئے۔ مولوی صاحب نے فرمایا وقت کی تحدید کے کیا معنی پہلے سو کون شخص اپنے مطالب کو ناپ تول کر لاتا ہے جو اسکے موافق وقت مقرر کیا جائے وقت اگر مقرر کیا جاتا ہے تو اس اندیشہ سے کیا جاتا ہے کہ مبادا کوئی شخص مفت مغز زنی کرنے لگے اگر وقت محدود نہ کیا جائیگا تو ایسا شخص بیوجہ مغز کھائیگا اور سوا اسکے کسی کو بولنے کی گنجائش نہ ملے گی۔ مگر آپ ہی انصاف سو فرمائیں کہ میں کون سی بات لغو اور بیہودہ کہتا ہوں جو آپ میرے لئے وقت کو محدود کرتے ہیں۔ پادری نوس صاحب نے فرمایا نہیں آپ تو بیہودہ باتیں نہیں کرتے۔ مولوی صاحب نے فرمایا پھر کیلئے آپ میرے واسطے وقت کو محدود کئے دیتے ہیں۔ پادری نوس صاحب نے فرمایا اچھا آپ کے لئے وقت کی کچھ تحدید وہی مگر دوسرے پادری صاحب نے کہا کہ فرمایا نہیں وقت کو ضرور محدود کرنا چاہئے نہیں تو ہر شخص یوں جتنا چاہیگا بیان کئے جائیگا۔ پادری نوس صاحب نے مولوی صاحب فرمایا اچھا آپ کے لئے بینز منٹ ہی اور اوڑوں کیلئے دس منٹ۔ اثنار راہ میں جب یہ فیصلہ ہو چکا تو پھر سب صاحب اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچے اور قضا و علاج اور ادارہ ضروریات میں مشغول ہوئے کھانا کھا ہی ہے تھے جو موتی میان صاحب نے مولوی محمد قاسم صاحب فرمایا پادری اسکاٹ صاحب آپ کی تعریف کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اس شخص کی باتیں بہت ٹھکانے کی ہیں۔ یہ مولوی نہیں یہ صوفی مولوی ہے۔ مولوی سخاوت حسین صاحب سہوانی وکیل عدالت دیوانی بھی اس وقت اتفاق سے آنکھ وہ بھی فرمانے لگے کہ پادری صاحب مولوی محمد قاسم صاحب کو کہتے تھے کہ یہ شخص صوفی مولوی ہے۔ ادھر اثنار جلسہ میں جب مولوی صاحب کھڑے ہوتے تھے تو تمام جلسہ میں

ایک سکتہ کا عالم ہو جاتا تھا اور جب مولوی صاحب کسی تقریر پر فارغ ہوتے تھے تو اکثر صاحبزادی زبان و صدائے آفرین و تحسین سنائی دیتی تھی۔ غرض غلبہ جانبِ سلام ایسا نمایاں تھا کہ بجز نا انصاف حاضرانِ جلسہ میں سے کوئی شخص اسکا انکار نہیں کر سکتا۔ شاید یہ ثمرہ انکسار مولوی صاحب اور دُعا اہلِ سلام تھا۔ مولوی صاحب نے جو بے شاہجہانپور کا ارادہ کیا تھا جس سے ملتے تھے یا جسکو اہل دُعا سمجھتے تھے استدعا دُعا کرتے تھے۔ خود یہ کہتے تھے کہ ہر چند ہماری نیت اور ہمارے اعمال اسی قابل ہیں کہ ہم مجمع عام میں ذلیل و خوار ہوں مگر ہماری ذلت و خواری میں اس دین برحق کی ذلت اور اُس سول پاک کی ذلت متصور ہو جو تمام عالم کا سردار اور تمام انبیاء کا قافلہ سالار ہے اسلئے خود بھی یہی دُعا کرتے تھے اور اوروں سے بھی دُعا کرتے تھے کہ اُہی ہماری وجہ سے اپنے دین اور اپنے حبیب پاک شہ لولاک کو ذلیل و خوار مت کر۔ اپنے دین اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی بدولت اور طفیل میں ہمکو عزت اور افتخار سے مشرف فرما۔ القصہ اہل اسلام کو کھانے سے فارغ ہو کر نماز کا فکر ہوا۔ بارہ بجتے ہی وضو کر کر نماز کی تھیرائی۔ نماز پھر سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ جو ایک بیچ گیا اسلئے دو سے جلسہ کیلئے سب صاحب تیار ہوئے ۛ

## کیفیت جلسہ سوم بروز دوم

ایک بجتے ہی مناظر اور شائقانِ مناظرہ میدانِ مناظرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اہل سلام بھی اُسی سے بسم اللہ کر کے پہنچے۔ گفتگو شروع ہونے سے پہلے منشی پیر لیاں صلح نے یہ کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ صرف سوالِ اخیر پر مباحثہ ہوئے اور باقی سوالات پر بحث ملتوی کی جائے۔ وجہ اسکی کچھ معلوم نہ ہوئی مگر قرینہ اس بات کو مقتضی ہو کہ یہ بات فقط بنظر اتباع حضرات پادریانِ نصاریٰ تھی انہیں کی طرف سے صبح کو یہ اصرار ہوا تھا کہ پہلے مسئلہ رابع میں گفتگو ہو جائے۔ سو اسوقت مسئلہ رابع کے بدلے مسئلہ خامس کا لینا اس غرض سے ہو گا کہ بالکل راز نہ کھل جائے۔ غرض مسئلہ ثانی و ثالث تو مسئلہ اول علوم حقایق و فلسفہ سے متعلق تھا۔ پادریوں کو بوجہ ناواقفیت علوم مذکورہ انکی جواب

وہی مشکل نظر آئی۔ البتہ مسئلہ رائج و خامش فقط مذہب متعلق تھے اور انکے بیان کا اکثر اتفاق رہتا ہے اسلئے صبح کو تو اصرار رہا کہ مسئلہ رائج میں گفتگو ہو اسوقت تو انکے پاس نہ کوئی حجت اپنے اصرار کی نظر آئی اور نہ منشی پیارے لال سو ساز کی گنجائش ملی۔ اس مہلت اور تنہائی میں جو گیارہ بجے سے لیکر ایک بجے تک بھٹی کیا عجب ہے کہ منشی صاحب کے اس بات میں کہہ سن لیا ہو۔ درمیان تک تو منشی صاحب کا بھی یہی قول تھا کہ ترتیب کے سوالات معلوم میں گفتگو ہو۔ علاوہ بریں پہلے روز منشی صاحب کا بات بات میں پادریوں کی تائید کرنا جسکی وجہ سے اہل اسلام خصوصاً مولوی محمد طاہر رضا اور مولوی محمد قاسم صاحب کو انکی شکایت کی نوبت آئی۔ اور وہ ارتباط دلی جو منشی صاحب کو پادریوں کے ساتھ مشہور ہے اور مسائل مذکورہ کا حقائق و فلسفہ متعلق ہونا اور پادریوں کا ان علوم سے بے بہرہ ہونا زیادہ تر اس خیال کو مؤید ہے کہ ہونو یہ پادری صاحبوں کی ہی چالاکي بھٹی۔ با اینہم پہلے روز پادری نولس صاحب کا بار بار یہ کہنا ہمکو زیادہ فرصت نہیں آج اور کل ہی ٹھیر سکتے ہیں اور بھی اس خیال کیلئے قرینہ صادق ہے۔ اگرچہ اسوقت مولوی صاحب نے کھلم کھلایہ فرمایا کہ یہ بات ہمارے کہنے کی بھٹی باوجود افلاس و بے سروسامانی قرض و ام بیکر اپنی ضرورتوں پر خاک ڈالکر ایک مسافت دور دراز قطع کر کے یہاں تک پہنچے۔ پھر اسپر یہ قول ہو کہ جب تک حسبِ نحوہ فیصلہ نہ ہو جائیگا نہ جائینگے۔ اور آپ صاحب تو اسی کام کے نوکر آنے جانے میں کوئی دقت نہیں۔ اسکے کیا معنی کہ آپ کو فرصت نہیں۔ یہ عذر کرتے تو ہم کرتے۔ مگر اسپر بھی پادری صاحبوں کو کچھ اثر نہ ہوا اور کیوں ہوتا قلتِ فرصت کا بہانہ کر کے مباحثہ کو مختصر کر دینا اس سے آسان نظر آیا کہ اہل اسلام کے مقابلہ میں مغلوب ہوں اور کوئی عذر نہ ہو آخر اہل اسلام کو کچھ پہلے دیکھے بھالے تھے اور کچھ فی الحال دیکھا۔ اور کیا عجب ہے کہ پنڈت صاحب اور منشی اندر من صاحب کی بھی یہی رائے ہو منشی اندر من صاحب کا اول سے آخر تک ہونا بلکہ باوجود اصرار مولوی محمد قاسم صاحب ضرورت بیان مطالب پنڈت صاحب انکا یہ کہنا مجھکو کسی لکچر دینے کا اتفاق نہیں ہوا جو لوگ یہ کام کرتے رہتے ہیں انہیں یہ کام ہو سکتا ہی بخیر اسکے اور کس بات پر محمول ہو سکتا ہے کہ علاوہ شور غلبہ

اہل اسلام بہ نسبت سا لگژنتہ اس سال میں پہلے فدا ہل اسلام کی جودت طبعی اور خوش ہائی اور انکے مطالب کی خوبی اور تسلسل معانی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اور پندت صاحب بھی اگرچہ مولوی محمد صاحب اور مولوی ابوالمنصور صاحب کی حسن لیاقت کی داد دے چکے تھے مگر دنیا بامید قائم یوں سمجھ کر کہ شاید علوم حقایق اور علوم فلاسفہ کی طرف بوجہ فقدان اسباب توجہ علوم مذکورہ نہوا اور سوجہ کہ کیا عجیب ہے کہ سوالات مذکورہ کے جواب میں وہ جاییں اور ہم بایں وجہ کہ خود ہی ان سوالات کے تجویز ہیں انکے جواب کو مستحضر کر رکھا ہو میدان مناظرہ میں اہل اسلام کو گئے سبقت لیجائیں اول سینہ سپر ہو گئے تھے مگر قدم عالم کے ابطال اور مادہ عالم کے بیان کو اہل اسلام کو سنکر وہ بھی ٹھنڈی ہو گئے تھے۔ غرض ان وجوہ سے عجیب نہیں کہ منشی اندر میں صاحب و ریثت دیا نند صاحب بھی ایسٹن مشیر ہوئے ہوں اور مشیر بھی نہ ہوئے ہوں تو مانع بھی نہ ہوئے ہوں مگر ہرچہ یاد ابادا و اسوقت تجویز ری اہل اسلام کو یہی نانا پڑا کہ اسوقت مسئلہ خامس ہی میں گفتگو ہو جائے لیکن اس رد و کد میں آدھا گھنٹہ گذر گیا۔ اور چار بجے میں فقط اڑھائی گھنٹے باقی رہ گئے اسلئے یہ تجویز ٹھیری کہ یہ جلسہ ساڑھے چار بجے تک ہی۔ اہل اسلام نے کہا خیر مضائقہ نہیں ہم آج نماز عصر آدھ گھنٹہ بعد ہی پڑھ لیٹے۔ ان غرض گفتگو شروع ہوئی۔ اول پادری اسکاٹ صاحب کھڑے ہوئے اور سوال خامس یعنی اس سوال کے جواب میں کہ نجات کتے ہیں اور نجات کا کیا طریقہ ہے ایک تقریر طویل بیان کی جسکا خلاصہ یہ تھا کہ نجات گناہوں سے بچنے کو کہتے ہیں مگر جب خدا تعالیٰ نے یہ دیکھا کہ تمام عالم گناہوں میں ڈوبا جاتا ہے تو خود مجسم ہو کر آیا اور عیسیٰ مسیح کھلایا اور سب خلایق کا کفارہ بنایا یعنی بارگناہان بنی آدم اپنے سر پر رکھ کر اسکی سزا میں مصلوب ہوا اور پھر نعوذ باللہ طعون ہو کر تین دن جنم میں رہا اسلئے سب کو لازم ہے کہ عیسیٰ مسیح کی اہمیت پر ایمان لائیں اور دین عیسائی اختیار کریں۔ بدون اس کے نجات نہیں اور گناہوں سے بچاؤ نہیں ہو سکتا

۱۔ نجات کو سب جانتے ہیں کہ مصائب بچ جائیکو کہتے ہیں۔ سو درنداروں کو جن مصیبت پر نظر ہوتی ہے وہ عذاب آخرت ہے اسلئے پادری صاحب کا یہ کہنا غلطی سے خالی نہیں مگر ہاں شاید مجاز گناہوں سے بچنے کو نجات اسلئے کہہ دیا ہو کہ گناہوں کے ذریعہ جس سے عذاب نجات تصور ہے پادری صاحب کی طلاق لسانی ہو مگر ہرچہ یاد ابادا و اپنی یاد کے موافق تو پادری صاحب نے یہ فرمایا جو درجہ اور افاقہ کیا گیا ۱۱ منہ

ایک روز کا ذکر ہے کہ میں نے یہ دعا کی کہ اے عیسیٰ صبح میری حال پر نظر عنایت فرما اسکے بعد میری دل میں ایسا چین اور ٹھنڈک معلوم ہوئی کہ میں بیان نہیں کر سکتا بالکل اور باتوں کو دل چو گیا۔ ایسے ہی ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک شخص بڑا تندرست اور موٹا تھا جیسے ہمارے پنڈت لالچھی۔ اور وہ بڑا شرارتی تھا کبھی گرجا میں جاتا تھا نہ نچل سکتا تھا۔ میں نے اُس کو کہا تو انجیل سنا کر اُس نے کہا میں کیوں نچل نہیں سکتا کیوں گرجا میں آؤں۔ آخر کو میں نے اُس کو انجیل سنائی۔ دو سر روز اسکے دل پر ایسا اثر ہوا کہ خود بخود وہ کھیر پاس آیا اور سب ہڈیاں چھوڑ دیں اور صدق لے لے نیک و صالح ہو گیا اور تمام لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ فلاں شرابی آدمی نیک آدمی ہو گیا۔ اور دیکھو جب تک عیسائیوں کی عملداری ہندوستان میں نہیں تھی ہندوستان میں کسی کسی غارتگری اور فتنہ فساد اور رہنری ہو کرتی تھی جب عیسائیوں کی عملداری ہوئی کس قدر امن و امان ہو گیا سونا اچھالتے چلے جاؤ کوئی نہیں پوچھتا۔ دیکھو کتنی گناہوں میں کمی آگئی یہ ایک بڑی دلیل ہے حقیقت عیسائی مذہب کی۔ بعد اسکے پنڈت یا نذرستی صاحب کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی ایک تقریر طویل بیان فرمائی۔ خلاصہ اُس تقریر کا بعض اُن صاحبوں کے بیان کے موافق جو کس قدر اُنکی زبان سمجھتے تھے یہ ہے کہ نجات یعنی نجات ہمیں ہے کہ آدمی گناہوں سے بچے اور نیک کام کریں۔ اور پادری صاحب نے جو یہ بیان کیا کہ خدا تعالیٰ مجسم ہو کر آیا خلائق کے گناہوں کا کفارہ ہوا اس سر غلط ہے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ ذات پاک جسکی کوئی حد و نہایت نہیں وہ ایک مٹھی میں آجائے اور پادری صاحب اپنے مذہب کے گناہوں سے نجات کا سبب سمجھتے ہیں تو یہ صاف بے اصل بات ہے۔ حضرت موسیٰ کو صاف حکم ہوا تھا کہ مکان مقدس میں جوتا اتار کر آؤ ہمارے پادری صاحب برعکس اُسکے جوتے کی جگہ ٹوپی اتارتے ہیں اور جوتا پہنتے ہیں اور بہت باتیں برخلاف حکم خدا کے کرتے ہیں اور انکو رو سمجھتے ہیں پس ایسے مذہب میں نجات کیسے ممکن ہو سکتی۔ بعد اسکے مولوی محمد قاسم صاحب کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا کہ نجات قرآنی اور عذاب الہی کو بچ جانے کو کہتے ہیں۔ مگر طریق حصول نجات بجز احتراز معصیت و گناہ اور کچھ نہیں۔ ایسے یہ بات گناہ کے دریافت کرنے پر موقوف ہے۔ پادری صاحب پنڈت صاحب نے تو یہ فرمایا

۱۷۔ یہ اشارہ پنڈت دیانند سری کی طرف تھا وہ بہت بے چارے ہوئے تازہ آدمی تھے ۱۸۔ ملاویہ تھے کہ مجسم و محدود نہیں ہو سکتے ۱۹۔ یعنی نجات بموت عنایت ہے جس نجات کا ذکر ہو رہا ہے ۲۰۔ منہ

کہ نجات گناہوں سے بچنے کو کہتے ہیں یا نجات گناہوں سے بچنے میں ہر مگر یہ نہ فرمایا کہ گناہ کسکو کہتے ہیں۔ گناہ کی دو چار مثالیں اور دو چار قسمیں تو مثل زنا و چوری وغیرہ بیان کیں پر ابھی تعریف کچھ بیان نہ فرمائی۔ سو ہم اول تعریف گناہ بیان کرتے ہیں سینے۔ گناہ خلاف مرضی الہی کو کہتے ہیں اور طاعت موافق مرضی الہی کا نام ہے۔ مگر کل ہم عرض کر چکے ہیں مرضی غیر مرضی تو ہماری بھی بے ہمارا بتلائے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ اگر سینہ سے سینہ ملا دیں بلکہ دل کو چیر کر دکھلا دیں تب بھی دل کی بات نظر نہ آئے جتنا کہ بان نہ ہلائے یا اشارہ سے اطلاع نہ فرمائیے۔ تب تک مرضی غیر مرضی کی اطلاع دوسرے کو ممکن نہیں۔ باوجود کثافت اور اس ظہور کے کہ ہم جسمانی ہیں یہ حال ہے تو خداوند عالم تو کمال ہی درجہ لطیف ہے اس لئے دل کی بات بے اس کے بتلائے کسی کو کیونکر معلوم ہو سکتی ہے عقل نارسا کو اتنی رسائی کہاں کہ اس کے مافی الضمیر تک پہنچے۔ عقل سے ہو سکتا ہے تو اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ کسی بات کا حسن و قبح کیسے قدر معلوم کرے سو یہ بات بھی اول تو ہر بات میں متصور نہیں جو عقل ہی کے بھروسے بیٹھ رہی ہے۔ دوسری خداوند کریم کو عظیم و حکیم ہے اور اسوجہ سے یہ اعتقاد ہے کہ نہ وہ اچھی بات کو منع فرمائے نہ بُری بات کا ارشاد فرمائے۔ لیکن تاہم خدا ہے بندہ نہیں حاکم ہے محکوم نہیں عقل کل مطیع نہیں عقل اسکی مطیع ہے اسلئے اگر بالفرض وہ زنا کو حلال اور طاعت کو حرام کر دے تو بیشک زنا طاعت اور طاعت گناہ ہو جائے بقول شخصے شعرے کہ طمع خواہد ز من سلطان دیں + خاکِ فرق قناعت بعد ازیں + اسلئے بندہ کے ذمہ یہ ضرور ہے کہ مرضی غیر مرضی کے دریافت کرنے میں اسی کی طرہ سے اپنی عقل نارسا کو اس قصہ سے علیحدہ رکھے۔ مگر ہم عرض کر چکے ہیں کہ باوٹناہاں دنیا اس قصود ہی سے سخت پر اپنا مافی الضمیر سر کسی سے کہتے نہیں پھرتے۔ خداوند عالم اس تکبر اور بے نیازی پر جسپر اسکی خدائی خود دلالت کرتی ہے کیونکر اپنے دل کی بات ہر کسی کو کہتا پھر گیا۔ یہاں تو مخلوقیت و لیک

۱۷۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود اس احاطہ کے کہ خداوند عالم تمام عالم کو محیط ہے و جبکہ کسی نے اسکو نہ دیکھا حالانکہ احاطہ وجود سے جو اسکا فیض دے یہ بات عیاں ہے کہ جیسے دھوپ اور آفتاب کے نمایاں کوئی حجاب نہیں ایسا ہی وجود عالم اور خداوند عالم کے بیچ میں کوئی پردہ نہیں اور وجود عالم اور عالم میں کوئی حجاب نہیں۔ کیونکہ سب میں پہلی صفت ہے اسے بھی نظر نہ آئی تو بجز لطافت اور کیا کہا جائے گا۔ چنانچہ اسکی عقل بات پر شاہد ہے کہ خداوند عالم جو کچھ فرمائے اگرچہ بات بُری ہی کیوں نہ ہو ابھی تک نہیں مانتا۔

انسانیت تک سب باتوں میں شتر اک خدا اور مخلوقات میں تو کسی بات میں بھی اشتراک نہیں اس لئے  
 بادشاہان و دنیا جیسے اپنے مافی الضمیر کی اطلاع اپنے مقربان خاص کے ذریعہ کر دینے میں ایسے ہی بلکہ جیسے  
 اولی خداوند عالم بھی اپنا مافی الضمیر بذریعہ مقربان خاص اور وکلاء و نگاہیں مقررہ کو ہم لوگ انبیاء و  
 رسول کہتے ہیں ایسے انبیاء علیہم السلام کے اتباع اور اقتداء ہی میں نجات منحصر ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں  
 انکی اطاعت خاص خدا کی اطاعت ہوگی اور انکی نافرمانی خاص خدا کی نافرمانی ہوگی۔ مگر جیسے  
 ہر زمانے میں ایک جہا حاکم ہوتا ہے پہلے زمانے میں اگر لارڈ نار تھ بروک گورنر تھے تو آج لارڈ لٹن  
 ہیں۔ پہلے اور کلکٹر تھا اب اور کلکٹر ہو ایسے ہی ہر زمانے میں مناسبت وقت ایک جہا ہی بنی ہوگا۔  
 جیسے آجکل لارڈ لٹن کے احکام کی تعمیل ضرور ہو لارڈ نار تھ بروک کے احکام کی تعمیل سو کام نہیں چلتا سو  
 ہی ہر زمانے میں اس زمانے کے نبی کے احکام کی تعمیل ضرور ہو۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام  
 کی بزرگی اور نبوت مسلم۔ انکا منکر ہمارے نزدیک ایسا ہی کافر ہو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی  
 نبوت کا منکر ہمارے نزدیک کافر ہے۔ علی ہذا القیاس سری راجندر اور سری کرشن کو بھی ہم کچھ نہیں کہہ  
 سکتے پر آجکل نجات کا سامان بجز اتباع نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ نہیں  
 جیسے اس زمانے میں باوجود تقرر گورنر حال لارڈ لٹن گورنر سابق لارڈ نار تھ بروک کے احکام کی تعمیل  
 پر اگر کوئی شخص صہرا کرے اور لارڈ لٹن کے احکام کی تعمیل سے انکار کرے تو باوجود اسکے کہ لارڈ نار تھ بروک  
 بھی سرکاری کی طرف ہو گورنر تھا اس وقت میں یہ صہرا بیشک منجملہ بغاوت اور مقابلہ سرکاری سمجھا جاتا  
 ایسے ہی اگر کوئی شخص اس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر آفرین کی اتباع کرے تو بیشک  
 اسکا یہ اصرار اور یہ انکار از قسم بغاوت خداوندی ہوگا جسکا حاصل کفر و الحاد ہو۔ القصہ اس وقت  
 اتباع حضرت عیسیٰ وغیرہم ہرگز باعث نجات نہیں ہو سکتا۔ ہاں حضرت عیسیٰ وغیرہم اگر خاتم الانبیاء  
 ہوتے تو پھر بیشک نجات انہیں کے اتباع میں منحصر ہو جاتی۔ لیکن ایسا ہوتا تو بالضرور حضرت عیسیٰ سدا  
 صلالت کیلئے دعویٰ خاتمت کرتے تاکہ آئندہ کو لوگ آفرین کے اتباع سے گمراہ نہ ہو جائیں۔ انبیاء کا یہ کام ستر  
 لے علاوہ بریں جہد صد احکام حاکم بالادست حکام ماتحت کی اطاعت اور احکام حاکم بالادست کی نافرمانی  
 کی برائی ہر عاقل پر روشن ہے۔ فقط انصاف کی حاجت ہو ۱۲ منہ



کہ ایسے موقع میں چپکے بیٹھے رہیں اور آدمیوں کو گمراہ ہونے دیں۔ مگر سب جانتے ہیں سو اسی حضرت سید  
عربی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کئی دعویٰ خاتیت نہیں کیا۔ اگر کرتے تو حضرت عیسیٰ کرتے، انہوں نے  
بجائے دعویٰ خاتیت کے اُٹا یہ فرمایا کہ میری بعد جہان کا سردار اینوالا ہے جس کو بڑا انصاف اٹھارہا ہو کہ  
وہ اینوالا خاتم الانبیا ہوگا کیونکہ تمام انبیا اپنے اپنے ربوں کے موافق امتیوں کے سردار اور ان کے حاکم ہوئے  
ہیں اور کیون ہوں انکی اطاعت امتیوں کے ذمے ضرور ہوتی ہو اسلئے جو سب کا سردار ہوگا وہ سب کا  
خاتم ہوگا۔ کیونکہ وقت مرافعہ بادشاہ کا حکم سب میں آخر رہتا ہے یہ اسکی خاتیت حکومت خاص  
اسیوجہ ہو کہ وہ سب کا سردار ہوتا ہے۔ الغرض اتباع محمدی اب تمام عالم کے ذمہ لازم ہو۔ انہوں نے  
دعویٰ نبوت کے ساتھ دعویٰ خاتیت بھی کیا اور وہ وہ معجزے دکھائے کہ اوروں کے معجزے  
انکے سامنے کچھ نسبت نہیں کھتے۔ چنانچہ بطور مشے منو نہ از خردارے کل بعض معجزات کی تفصیل  
اور انبیا دیگر کے معجزات پر انکی فوقیت اور فضیلت ہم بیان بھی کر چکے ہیں۔ پھر انکے اتباع میں  
کیا تامل ہو۔ خاص کر قرآن شریف ایک ایسا عمدہ معجزہ ہو کہ کوئی اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ رہا ثبوت  
الوہیت یہ ایک ایسا عقیدہ مہل ہو کہ کوئی عاقل تسلیم نہیں کر سکتا ہلکو عقلا فرنگ کی عقل پر بڑا افسوس آتا ہی

۱۵ انصاف کی قید اس غرض کی کہ عیسائی بھی لا جواب ہو کر یہی فرماتے تھے میں کہ جہان کے سردار و سلطان کو مگر عقل انصاف  
سمجھتے ہیں کہ یہ کتنی نا انصافی ہو اگر یہی ہو تو ایسی نا انصافی ان بشارتوں میں ہی ملتی جو حکو بزم و خندہ حضرت عیسیٰ کے حق میں سمجھتے ہیں۔ یہ  
۱۶ پہلے دن وعظ میں یہ بات ثابت ہو چکی ہو کہ جیسے علم عقل ہو عقل ہی ہونے میں علم کا تابع ہو ایسے ہی معجزات علیہ معجزات و معجزات  
ہو گئے اور چونکہ علم و اور اور کوئی ایسی نبوت نہیں کہ جیسے علم ارادہ قدرت وغیرہ صفات پر حاکم ہو یعنی بے اس کے کوئی صفت کی کام کی خبر  
ایسے ہی علم پر وہ صفت حاکم ہو اسلئے علم خاتم صفات حاکم ہوگا اور اسلئے اس صفت کا اعجاز اس شخص کو دیا جائیگا جو خاتم الانبیا ہوگا یہی  
وجہ مبنی کہ قرآن شریف سوار رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی کوئید بلاتہ ۱۷ پھر اس پر یہ آیت کا شہد ہو کہ یہ قیامت تک باقی رہنے والا ہو اور  
معجزوں میں یہ بات کہاں۔ مخالفوں کے اسکا کہنے کے لئے اس کو بڑھ کر اور کون سی دلیل ہوگی اور ہر سند دایا تا بل اسلام عیسیٰ عمدہ کہ نہی رہے  
لمت میں یہ بات نہیں۔ بالکل جو وجہ نبوت اور انبیا کے اتباع اپنی انبیا کے نبوت کی نسبت دیکھتے ہیں اس کو سب سے لیے جائیں دیتیں  
ردایوں کو عمدہ معجزات اور دلائل معجزات اور دلائل کو عمدہ ۱۸ منہ ۱۹ باوجود اس شہرت و دانش کے ایسی غلطی کا باعث ہو کہ بہترین  
دنیا کی طرف مائل ہیں سو جیسے انکو کفر شیطان دیکھ سکتے ہیں جہاں انکو ہر سطح عقل سبھی اسی چیز کو سمجھ سکتے ہیں جہاں عقل متوجہ ہو۔  
اور جب نصاریٰ بہترین دنیا کی طرف متوجہ ہو کر تو امور آخرت میں پوں ہی تھوکریں کھائی گئے۔ کوئی تنکیت کا قائل ہو کوئی توحید و  
تثلیث دونوں کا منکر ہو تراطی ہو۔ آج کل انگلستان میں خصوصاً اور تمام یورپ میں عموماً الحاد کا زور شور بولا کھول آدمی دہریہ ہیں  
ہوتے جاتے ہیں نہ خدا کو جانتے ہیں نہ حضرت عیسیٰ کو مانتے ہیں فقط ہوا و ہوس کے پابند ہیں نہ انکے نزدیک کوئی چیز عطا ہو نہ عزم  
نہ کوئی مذہب ہو نہ کوئی دین۔ ہاں پادری لوگ جبکی وٹنی اسی پر ہو کہ دین عیسوی کی راہ کو نام منادی کرتے ہیں وہ کچھ بانی جمع خرچ  
کرتے پھرتے ہیں ورنہ ان میں بھی دین ایمان کی کوئی بات نظر نہیں آتی اسپر ملانوں کو کچھ ناوا رسید فلاح رکھنا نام کی ہو کہ کوئی سوچ سکتا ہے



کہ سب کی سب ایسی ہوئی غلطی میں پڑی ہوئے ہیں۔ اوروں پر کیسے کیسے خفیف اعتراض کرتے ہیں جن کی جواب دہی کیلئے عقلاً کوتاہی کی حاجت نہیں اور اپنے آپ ایسے ایسے اعتراض سر پر لئے بیٹھے ہیں جن کا جواب قیامت تک نہیں آسکتا۔ افسوس ہزار افسوس وہ خداوندِ کریم جو ہر طرح کو مقدس اور ہر جہ سے بے نیاز اور تمام عیوب اور جملہ نقصانوں کو پاک ہو اسکو تو اس پیرایہ میں کہ عیسیٰ مسیح بنکر مجسم ہوا اور زمین پر آیا کھانے پینے بول دہراڑ بھوک پیاس خوشی غم وغیرہ حوالج انسانی میں مبتلا ہوا کہیں علی پر چڑھا کہیں یہودیوں کے ہاتھوں میں مقید ہو کر ایللی الی لپکارا کہیں معذب ملعون ہو کر اوروں کیلئے کفار بننا کیا کیا کچھ بُرا بھلا کہہ لیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص پادری صاحب کو چار کمدی تو ابھی مرنے لے پرتیا ہو جائیں یہ کیسا ظلم صریح ہے کہ اپنے آپکو ذرا ابھی کوئی بُرا کمدے تو پھر خیر نہیں اور خداوندِ قدوس کو جو چاہیں کہ لیں۔ چار اور پادری صاحب میں کیا فرق ہو وہ مخلوق اور خدا کا محتاج تو پادری صاحب بھی مخلوق خدا اور خدا کے محتاج۔ پادری صاحب انسان تو چار بھی انسان۔ پادری صاحب کی دو آنکھیں تو چار کی بھی دو آنکھیں۔ پادری صاحب کی ایک ناک اور دو کان تو اُسکی بھی ایک ناک اور دو کان اُنکے دو ہاتھ تو اُسکے بھی دو ہاتھ۔ چار کو بھوک پیاس لگتی ہو تو پادری صاحب بھی اس بلا میں مبتلا ہیں چار کو بول دہراڑ کی حاجت ہو تو پادری صاحب کو بھی یہ حاجت ستاتی ہو۔ غرض ذاتی باتوں میں کچھ فرق نہیں دونوں کیساں ہیں۔ اگر فرق ہو تو دولتِ شمت وغیرہ خارجی باتوں میں فرق ہو۔ آپ اتحاد پر تو پادری صاحب کو یہ سخت ہو کہ چار کمدی کے تو تھامے نہ تھیں۔ اور خدا تعالیٰ کو بشر کیساتھ کچھ اتحاد نہیں۔ بشر کو خدا کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں کچھ نسبت نہیں۔ اُسکا وجود خانہ زاد بشر کا وجود اسی ہو مستعار۔ وہ خدا یہ بندہ۔ اس پر خدا کو بشر کہے جائیں اور ہرگز نہ نہائیں۔ افسوس کیسا ظلم صریح کرتے ہیں اور ہرگز نہیں دتے۔ عاقلان فرنگ کو کیا ہو گیا۔ اجتماع البقیضین اور جماع الضدین کا بطلان ایسا نہیں جو کوئی نہ جانے پھر اس پر انسانیت اور الوہیت کے اجتماع کی تسلیم میں کچھ نام نہیں یہ تو ایسا قصہ ہے جیسا یوں کہیں کہ ایک شے نور بھی ہو ظلمت بھی ہو گرمی بھی ہو سردی بھی ہو موت بھی ہو حیات بھی ہو وجود بھی ہو عدم بھی ہو کیونکہ انسانیت کو مخلوقیت اور احتیاج لازم اور الوہیت کو استغنا

اور خالقیت ضرور ہے۔ یہ دونوں ضلیمین مجتمع ہوں تو کیونکر ہوں مگر سپر بھی اپنی وہی غی کی ایک ٹانگ چلی جاتی ہے۔ اگر انصاف سے دیکھئے تو شیطان فرعون و فرود و شداد وغیرہ کی نسبت کسی بیوقوف کو گمان الوہیت ہو تو اتنا بعید از عقل نہیں جتنا حضرت عیسیٰؑ اور دیگر انبیاء کرام یا اولیاء عظام کی نسبت یہ خیال خام دور از عقل ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰؑ وغیرہ انبیاء راویاں تو برابر ساری عمر اپنی عبودیت اور عاجزی کا اقرار کرتے رہے اور سجدہ وغیرہ اعمال بندگی جنسے انکار الوہیت مثل آفتاب نمایاں ہو جاتے رہے۔ ہاں شیطان فرعون فرود وغیرہ البتہ مدعی الوہیت ہوئے اور کبھی وہ کام نہ کیا کہ جس کی بندگی کی تو بھی آئے انکو اگر کوئی نادان خدا سمجھے تو خیر سمجھے پر اس شخص کو خدا سمجھنا جو خود مقرر عبودیت ہو طرفہ ماجرا ہے۔ حق یہ ہے کہ آجکل کے عیسائی حقیقت میں عیسائی نہیں۔ واقعی عیسائی اگر ہیں تو محمدی ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے جو عقیدے تھے وہ محمدیوں کے عقیدے ہیں۔ وہ بھی خدا کو وحدہ لا شریک کہتے ہیں اور کبھی تثلیث کا دعوہ نہ کیا۔ محمدی بھی یہی کہتے ہیں حضرت عیسیٰؑ بھی اپنے آپ کو بندہ سمجھتے ہیں چنانچہ انجیل موجود ہے۔ محمدی بھی ان کو بندہ ہی سمجھتے ہیں۔ علاوہ بریں انکی شان میں ہرگز کسی قسم کی گستاخی نہیں کرتے۔ نہ انکی نسبت ملعون ہونے کے خیال کو دل میں جگہ دیتے ہیں اور نہ احتمال عذاب کو انکی نسبت ممکن الوقوع سمجھتے ہیں۔ بلکہ جو شخص حضرت عیسیٰؑ کی نسبت اس قسم کے عقیدے رکھے اسکو دشمن دین و ایمان اور بے دین اور بے ایمان سمجھتے ہیں اور حضرات نصرانیوں کا یہ حال باوجود مخالفت اعتقاد یہ سب کچھ گستاخیاں بھی کیے جاتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو عیسائی کہے جاتے ہیں کہ یہ ترقی کہ خدا بنا دیا کبھی یہ تشرل کہ عذاب پہنچا دیا۔ اب پادری صاحب انصاف فرمائیں کہ حضرت عیسیٰؑ کا اتباع ہم کرتے ہیں یا وہ کرتے ہیں باقی رہا پادری صاحب کہ یہ فرمانا کہ عیسائی عملداری کی پہلے ہندوستان میں یہ لوٹ مارتھی کہ چوروں قتل و ز سے بچنا ایک امر محال تھا اور جب سے عیسائی عملداری آئی تب سے امن و امان ہو کہ سونا اچھالتے چلے جاؤ کوئی شخص یہ نہیں پوچھتا کہ تم کون ہو اس ارشاد کی مجھ کو کمال درجہ حیرت ہے۔ اگر یہ بات ہو کوئی صاحب فرماتے تو فرماتے پادری اسکاٹ صاحب کی معقول انی پر یہ استدلال کمال تعجب انگیز ہے کہ اس عقیدہ کا بطلان تو ایسا کچھ ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا ہوگا۔ گری سرودی وغیرہ میں اتنا اتحاد ہو کہ وہ لازم ممکن اور مخلوق ہیں یہاں تو یہ بھی نہیں ۱۱ منہ

میں نے تو جب سے یہ سنا تھا کہ پادریا صاحب معقل میں ماہر ہیں صلہ تصنیف سائنس میں سرکار  
پانسور و پیر انعام پانچکے ہیں یوں منتظر تھا کہ دیکھے کیا کچھ ہونگے مگر انہوں نے یہ ایسی بات کہی کہ  
کوئی معقول دان ایسی بات نہ کہے کیا پادریا صاحب کے کتب منطق میں نہیں دیکھا کہ استدلال اتنی  
نامام ہو تا ہی وضع تالی منتج وضع مقدم نہیں ہوتی۔ آٹا سے موثر پر استدلال نہیں ہو سکتا۔ پھر گو گرم  
پائیں تو یہ نہیں یہ کہہ سکتے کہ آگ ہی سے گرم ہوا یہ بھی تو احتمال ہو کہ آفتاب سے گرم ہو گیا ہو الغرض  
اثر کی جانب عموم کا احتمال ہوتا ہے اسلئے اسکے وسیلہ سے کسی خاص موثر پر استدلال نہیں ہو سکتا پھر  
پادریا صاحب نے یہ کیونکر کہہ دیا کہ یہ امن امان عیسائی عملداری ہی کی برکت ہے نہیں اس امن امان کی  
عدلت بحر پاس ملک آڑے ترقی تجارت اور کچھ نہیں۔ مذہب کے اسبات کو کچھ علاوہ نہیں۔ اور ہم دعویٰ  
کرتے ہیں کہ ہمارے خلفاء کے زمانہ میں وہ امن امان تھا کہ کبھی ہوا نہ ہو۔ اگر یہ بات دلیل حقانیت مذہب کے  
تو دین محمدی بدرجہ اولیٰ احق ہو گا۔ علاوہ بریں کچھ گناہ اس چوری اور قزاقی ہی میں منحصر نہیں جو یہ  
خیال ہو کہ برکت دین عیسوی گناہوں سے نجات دینے والی ہے تو رات میں خنزیر کی حرمت موجود ہے ہم دعویٰ  
کرتے ہیں کہ اہل اسلام میں کوئی شخص سو کا گوشت نہیں کھاتا جو اس مجرم کا الزام اسکے سر پر آؤ اور ضرعیوں میں  
شاید ایسا کوئی ہو جو اس گناہ کو بچا ہوا ہو۔ تو رات بخیل میں شراب کی ممانعت موجود ہے اور ہم دعویٰ کرتے  
ہیں کہ اہل اسلام میں بہت کم اس بلا میں مبتلا ہونگے اور ضرعیوں میں بہت کم آدمی اس بلا سے بچے ہوئے ہوں گے  
علیٰ ہذا القیاس سرکار کی عملداری میں زنا کی جتنی کثرت ہوئی ہے اس قدر کبھی ہوئی ہوگی جس پر خاص لندن او  
انگلستان کا حال تو پوچھیے ہی نہیں۔ کیا پادریا جو کولندن کے اخباروں کی ابتک خبر نہیں کہ وہ کیا کھتو  
ہیں ہر درگئی سوچتے ولد الزما پیدا ہوتے ہیں صبح کو راستوں پر پڑے ہوئے ملتے ہیں یہ باتیں گناہ نہیں تو اور کیا  
علیٰ ہذا القیاس آؤ بہت سی ایسی باتیں ہیں جو از رو تو رات و نخل ممنوع ہیں اور ضرعیوں میں مروج ہیں  
پھر کیونکر کہہ دیجئے کہ برکت دین عیسوی ہندوستان سے چوری قزاقی اسلئے موقوف ہو گئی کہ اس  
دین کا اثر یہی ہو کہ گناہوں سے آدمی محترز ہو جائے۔ اس تقریر میں وقت مقرر ختم ہو گیا۔

لے اور کیونٹ ہو عورت کو کو فعل مختاری کا ہوا نہ۔ زنا پر کوئی سزا نہیں اور سب عملداریوں میں مجرم کی روک ٹوک ہوتی ہے



انہیں جہت انسانیت سے تھے نہ جہت الوہیت کے اور حاضران جلسہ میں ایک صاحب کا یہ بھی بیان کہ یہ بات انہیں پادری صاحب نے اس وقت فرمائی تھی کہ حضرت عیسیٰ کی الوہیت کی نشانی اس لیے ہو کہ وہ گرم کر لیجے تو وہ بھی ایک آگ ہی بن جاتا ہے مگر اقام الحروف کو یہ یاد نہیں آتا کہ یہ بات کس نے کہی تھی مگر ہرچہ پادری پادری صاحب تو زور مار کر بیٹھے اور مولوی محمد قاسم صاحب کھڑے ہوئے اول تو یہ فرمایا کہ وہ ریاض الدین رومی ہی ایسے ہی ہونگے جیسے آپ محی الدین پشاور ہی آپ کی شکل و صورت بھی مسلمانوں ہی کی سی ہے چنچی ڈاڑھی کرتے پہنے ہوئے ہیں نام بھی مسلمانوں ہی کا سا ہے آپ کو بھی کوئی دیکھے اور نام سے تو مسلمان ہی سمجھے وہ بھی ایسے ہی ہونگے۔ یہ بات پادری صاحب پر ایسی بھیجی کہ دیکھنے والے ہی جانتے ہیں۔ اس وقت پادری صاحب کو خلاف توقع شرما ہی پڑا۔ پھر مولوی صاحب نے فرمایا کہ اہل سلام اس کتاب اور اس مصنف کو جانتے بھی نہیں۔ قرآن شریف کی آیت یا صلح ستہ وغیرہ کی روایت ہوتی تو البتہ موقع بھی تھا۔ یہ کتنی نا انصافی ہو کہ اپنی طرف سے ایک آیت بنائی اور سپر اہل سلام سے مقابلہ کو آموجود ہوئے۔ اگر یہی انداز ہے کہ کسی کے بزرگوں کے نام کوئی عبارت یا روایت لگالی اور مقابلہ کو آپہنچے تو پھر اہل سلام کو بھی بہت گنجائش ہے۔ یہاں اگر اس روایت کو پادری صاحب نے اہل اسلام کے لیے لکھا تو یہ کہ حضرت عیسیٰ کی الوہیت ثابت کرتے ہیں تو ہم بدستور انجیل برنباہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی رسالت ثابت کریں گے انجیل برنباہ صاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی بشارت موجود ہے۔ غرض اگر روایت مشا را لہیہ حضرت عیسیٰ کی الوہیت ثابت ہوتی ہے تو انجیل برنباہ کی آیت بشارت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی رسالت ثابت ہوتی ہے پھر کیا انصاف ہے کہ ہم تو ایسی آیات سے الزام لگانے کو تیار ہیں اور آپ انجیل برنباہ کی آیت کو نہ مانیں۔ علاوہ بریں یہ عبارت ہی خود اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ روایت جعلی ہے۔ نہ الفاظ صحیح ہیں نہ اور کوئی بات ٹھکانے کی ہے۔ اہل زبان کا یہ کام نہیں کہ ایسی جمل عبارت ناکار ائمہ کو نکالیں اسکے موضوع ہونے میں کچھ شک شبہ نہیں۔ یہ کو الزام دینا منظور ہے تو ہماری کتب معتبرہ سے دینا چاہئے۔

لے نجد حواریان عیسیٰ ایک حضرت برنباہ بھی ہیں ایک انجیل انکی طرف بھی منسوب ہے جیسے انجیل مشورہ حضرت یوحنا وغیرہم کی طرف منسوب ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی بشارت موجود ہے۔ لہذا اسی قسم کی باتوں کے لحاظ سے اسکو جعلی بتلاتے ہیں حالانکہ قدیمی انجیل اور مشورہ کتاب ہے اور روضۃ الانبیاء کو تو اہل سلام میں سو کوئی جانتا بھی نہیں بلکہ اس روز سے پہلے کسی اہل اسلام کے کان میں یہ روایت پڑی ہی نہیں ۱۱ منہ

قرآن شریف کی آیت لایئے یا صحاح ستہ وغیرہ کتب معتبرہ مشورہ احادیث کی روایت دکھلائیے ہماری تمام کتب مشورہ میں سجدہ غیر کی ممانعت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بندہ ہونیکا دعویٰ ایسا کھلا کھلا بکثرت لکھا ہو کہ سب جانتے ہیں کوئی مذہب ایسا نہیں کہ اہل اسلام کے اس اعتقاد اور انکی تمام کتب کی شہادت اس اعتقاد پر نہ جانتا ہو۔ غرض قرآن شریف اور تمام کتب احادیث جو ماخذ اعتقاد اہل اسلام ہیں حضرت عیسیٰ کے بندے ہونے اور خدا ہونے کا مال مال ہیں پھر کس مرتبہ پادری صاحب نے اس روایت کو پیش کیا۔ اپنے گھر کی خبر نہیں کہ انجیل برنباہ کیا کرتی ہو۔ باقی یہ جو پادری صاحب نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ مجمع المجتہین ہیں۔ انسان کامل بھی ہیں اور معبود کامل بھی جہت انسانیت سے اکل شرب مرض موت بول و براز انکو لاحق تھے اور بے نیازی و قدوسیّت وغیرہ جہت الوہیت انکو حاصل تھی سو یہ ایک ایسی اصل بات ہو کہ کوئی قائل ہو کہ قبول نہیں کر سکتا جیسے باپ بیٹا اور بیٹا باپ نہیں ہو سکتا ایسے ہی بندہ خدا اور خدا بندہ عابد معبود اور معبود عابد نہیں ہو سکتا وہ محال ہو تو یہ بھی ہے اور اگر فرض محال یہ احتمال تسلیم بھی کیا جائے۔ خدائی او بندگی دونوں حضرت عیسیٰ میں مجتمع مان لیا ویں تو بائیں لہذا کہ اس صورت میں الہ اور انسان ایک ذات واحد عیسوی ہوگی۔ اور یہ دونوں حسب عم نصاریٰ انہیں حقیقی ہونگے تو انسانیت کے عیوب اور نقصانات سب کے سب جہت الوہیت کو لاحق ہونگے اور ایسی صورت ہو جائیگی جیسے کرتہ انگر کہ وغیرہ کرتہ انگر کہ وغیرہ بھی ہوتا ہے انگر کہ وغیرہ اگر ناپاک ہو جائے تو کپڑا بھی ناپاک ہو جاتا ہے اور کپڑا اگر ناپاک ہو جائے تو انگر کہ وغیرہ بھی ناپاک ہو جاتا ہے اگر ایک ناپاک ہو جاتا ہے تو دوسرے بھی ساتھ ہی ناپاک ہو جاتا ہے وہ برگرز پاک نہیں ہو سکتا اگر سلیط بالفرض التقیہ الوہیت او انسانیت ذات عیسوی میں مجتمع ہو جائیں تو عیوب انسانیت خواجواہ الوہیت کو لاحق ہونگے وہ ان عیوب سے منزہ نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ ان باتوں کے بواب ہیں جنکو ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ پادری محی الدین نے بیان کی تھیں یہی وہ بات ہیں جنکو شک ہے کہ قائل اسکا کون تھا یعنی یہ بات کہ حضرت

سے یہ آخری ذکر پادری صاحب کے ہاں لکھی آخری کیفیت یہ بھی عرض کرنی لازم ہے سوقت ہم پادری صاحب پادری تو مگر تمام کا تو نہیں یزدانی رفیق ہوتی تقریباً ایک سال کے بعد اس واقعہ کو پادری صاحب ملان ہوئے جسکے باعث اب انکو محی الدین کہنا چاہیے ہوتا

عیسیٰ کی الوہیت کی صورت ایسی ہو جیسے لوہو کو آگ میں تھوڑی سی ڈال دیتے ہیں تو وہ بھی آگ بن جاتا ہے۔  
 ایبات کے جواب میں خواہ پادری محی الدین کی کہی ہوئی ہو خواہ کسی آدمی کی غالباً مولوی صاحب نے فرمایا  
 تھا کہ اس مثال سے صاف یہ بات عیان ہو کہ خدا ایک سے متعدد نہیں اور حضرت عیسیٰ بندہ ہیں  
 خدا نہیں وجہ اسکی یہ ہو کہ لوہا دیکھنے میں ظاہر بہتوں کو ہرگز آتش نظر آتا ہے حقیقت میں آتش ہی  
 لوہا ہی ہوتا ہے آگ نہیں ہو جاتا ہے۔ فقط پر تو وہ آتش سے اسکا رنگ بدل جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آگ سے  
 علیحدہ کر لیجئے تو پھر وہ لوہا اپنی اصلی حالت پر آ جاتا ہے۔ اگر واقعی آگ ہو جائے تو آگ اور انکاروں کی طرح ساتھ  
 رہتا یا علیحدہ ہوتا تو دونوں حالتوں میں یکساں رہتا اور شاید اسی اعتراض کیوقت بجز دینے کے مولوی  
 صاحب نے کرسی سے کھڑے ہو کر یہ کہہ دیا تھا کہ دیکھئے پادری صاحب سو وقت تشریف لے کر آتے ہیں  
 اور میں جانتا ہوں کہ وجہ اسکی یہی تھی جو اوپر مذکور ہوئی۔ اُسکے بعد مولوی صاحب بیٹھے پر کسی پادری  
 صاحب کو یہ حوصلہ نہ ہوا کہ ان اعتراضوں کا جواب دیتا یا ان جوابوں پر نقض کرتا جو مولوی صاحب  
 نے کئے تھے۔ ہاں اتنا ہوا کہ پادری نولس صاحب کھڑے ہوئے اور دیر تک چلا چلا کر اپنے مذہب کے  
 فضائل بے ویل بیان کرتے رہے یا وہی پہلے مضمون کا اعادہ کرتے رہے بلکہ الفاظ کا پھیر تھا نہ  
 اسی تقریر ازل کا اعادہ تھا کوئی نئی بات نہ تھی کہی نہ جانی کہ اعتراضوں کا جواب دیتے۔ غرض پھر کوئی ایسی  
 بات کسی نے نہ کہی جو سننے سننے کے قابل ہو بجز سب خراشی اور کچھ نہ تھا۔ البتہ قابل بیان دو باتیں  
 تھیں جنکا وقت اور موقع یا وہیں فقط وہ باتیں یاد رہ گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی موقع میں پادریوں کی  
 طرف سے صبح کے جلسہ میں یا تیسرے پہر کے جلسہ میں کسی نصرانی نے اتفاقاً شیطان کا ذکر کیا تھا۔  
 اور غالباً غرض یہ ہوگی کہ گناہ باعث شیطان ہو اس پر پینڈت صاحب نے یہ فرمایا تھا کہ دنیا کے  
 بادشاہ بھی تو اتنا انتظام کر لیتے ہیں کہ اگر ان کے ملک میں کوئی لیٹرا یا قزاق کھڑا ہو جاتا ہے تو  
 اسکو گرفتار کر لیتے ہیں اور قتل کر دیتے ہیں۔ اور یہ تو کوئی بادشاہ بھی نہیں کرتا کہ اپنے ملک میں  
 ڈاکو اور قزاق اپنی طرف سے چھوڑ دے کیا خدا کی طرف یہ گمان ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ملک میں قزاق  
 قزاق چھوڑ دے اور اسکو اسی کام پر مقرر کر دے۔ اسکو تو یہ مناسب تھا کہ بھروسہ و التقدير ایسا ہو جابھی تو



اُسکو گرفتار کر لیتا نہ یہ کہ اٹا اپنی طرف سے اس کام کے لئے اُسکو مقرر کرتا اُسکے بعد پادری نوس صاحب نے یہ فرمایا تھا کہ اگر پینڈت جی شیطان کا انکار کرتے ہیں تو یوں کہو کہ یہ سب بُرائی خدا تعالیٰ کرتا ہے کیونکہ اس صورت میں کم سے کم اتنا تو کمنا پڑیگا کہ ایسے بُرے آدمی خدا نے پیدا کئے جنسے بُرے کام ظہور میں آئے غرض اگر شیطان کو نہ مانا جائے اور بُرائی کو آدمیوں کے حق میں ذاتی کسی جاؤ تو بُرائی دُور تک پہنچگی کیونکہ اسوقت بُرائیوں کا خالق خدا کو کمنا پڑیگا۔ دوسرا ایک بات بھی ایسی ہی ہے کہ اُسکا موقع یاد نہ رہا جسکی وجہ سے اُسکے لکھنے کا اتفاق نہ ہوا اور حقیقت میں لکھنے کے قابل ہوا یہ ہے کہ پادریوں میں سے کسی نے کسی بات کے بیان میں کہیں جنت کا ذکر کر دیا تھا اسپر پینڈت صاحب نے یہ فرمایا تھا کوئی تہلئے تو جنت کہاں ہے اسپر مولوی محمد قاسم صاحب نے اپنی جابے پر بیٹھے ہوئے یہ فرمایا کہ پینڈت صاحب بھو اگر وقت تقریر دیا جائیگا تو ہم انشاء اللہ آپ کو تہلادیگے مگر اُسکے بعد پھرت ہی نہ ملا بلکہ پادری نوس صاحب کے خاموش ہونیکے بعد جو مولوی محمد قاسم صاحب کھڑے ہوئے تو پادریوں نے ایسی ہٹ دھرمی کی جسکا کوئی ٹھکانا نہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہنوز چار بجنے میں بھی کسی قدر دیر تھی اور بایں وجہ کہ شروع جلسہ میں آدھ گھنٹہ اس تکرار میں ضائع ہو گیا تھا لاسوقت کون سا سوال پر بحث ہونی چاہئے یہ ٹھیکہ تھی کہ آدھ گھنٹہ چائے کے بعد بڑھادیا جاو اور اہل سلام نے بھی یہ کہہ لیا تھا کہ خیر آج ہم ساڑھے چار بجے ہی نا پڑھ لینگے ابھی آدھے گھنٹے کی اور گنجائش تھی مگر اسپر بھی پادری لوگ کھڑے ہو گئے اور یہ کہا جلسہ کا وقت ختم ہو گیا۔ مولوی صاحب اور موتی میا صاحب اور نیز اور اہل سلام نے ہر چند اصرار کیا کہ زیادہ نہیں دو چار منٹ جو چاہئے سمجھنے میں باقی ہیں انہیں میں ہم کچھ کہہ لینگے مگر پادری صاحبوں نے ایک سُنی۔ اہل سلام کا غلبہ یوں تقریرات گذشتہ سبب سے ہی تھا پر یہ انکار و اصرار اُن کے غلبہ اور عیسائیوں کی شکست کیلئے ایسا ہو گیا جیسا غنیم کامیاب سے بھاگ جانا ہو اکتاہٹ اسپر طرہ یہ ہے کہ اُس سرسبکی اور پریشانی میں رنج پنهانی کے باعث پادریوں کو لاحق تھی پادری لوگ اپنی بعض کتابیں بھی وہیں چھوڑ گئے اُنکے اٹھانے کے بھی ہوش نہ ہو قصہ اسوقت پادریوں کو بجز اس بات کے اور کوئی بات اپنی دامن گزاری کیلئے سمجھ میں آئی۔ اور پادریوں کا



یہ کھڑا ہو جانا اسوقت ہندوؤں کیلئے غالباً غنیمت معلوم ہوا وہ بھی انکے ساتھ ہوئے پر یہ بات عام و خاص نگاہوں میں اہل اسلام کے غلبہ پر اور بھی دلیل کامل ہو گئی۔ مگر جب تک لوی صاحب نے دیکھا کہ حضرات عیسائی صاحبان نہیں مانتے تو مولوی صاحب نے یہ فرمایا کہ اچھا آپ سنیئے ہم اپنی طرف سے بیان کئے دیتے ہیں۔ مگر پادری صاحبوں نے بغرض برہمنی جلسہ شروع کرنا شروع کر دیا۔ ایک طرف تو ایک صاحب انجیل لیکر کھڑے ہو گئے اور ایک طرف کچھ انکار اور صراحت کا شور تھا اسلئے اسوقت تو مولوی صاحب بایں خیال کہ ناخ نماز عصر میں یہ موقوفی نماز کیلئے تشریف لینگے اور پھر نماز سے فارغ ہوتے ہی اسی موقع پر ہونچکر اُس چوکی پر جسپر گفتگو کر نیوالے کھڑے ہوا کرتے تھے کھڑے ہوئے دیکھتے ہی طرف و جانب لوگ پہنچے۔ مولوی صاحب نے اول یہ فرمایا کہ ہم نے ہر چند چاہا کہ پادری صاحب ہماری ایک دہو بات سن لیں پر چونکہ اہل اسلام سے عہدہ برائی کی امید نظر نہ آئی تو انجام کار یہ کام کیا اور بعد اسکے اس قسم کی باتیں فرمائیں کہ اہل جلسہ کو یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی کہ اہل اسلام کے اعتراضوں کا کسی نے جواب دیا اور اہل اسلام نے رب کے اعتراضوں کا جواب دیا یا کہ پھر کسی کو جواب دیا اور پھر کچھ ایسا کہا کہ اب بروہانصاف رسول اللہ علیہ السلام کی رسالت ثابت ہو گئی اور پھر کسی شخص کے بروہانصاف کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ اور اسی ضمن میں پادری صاحب کی اس تقریر کا جواب دیا جو انہوں نے اعادہ کر کے بیان کی تھی۔ مگر چونکہ ان جوابوں کے مضمون بھی قریب قریب انہیں جوابوں کے تھے جو مولوی صاحب اول دیکھے تھے اسلئے انکے لکھنے میں بجز بطویل اور کچھ چنداں حاصل نہیں۔ مگر ہاں پادری لوگ گھبراہٹ میں جو دو کتابیں چھوڑ کر چلے گئے تھے جس وقت مولوی صاحب نے بعد نماز پھر کچھ بیان کرنا شروع کیا تو اسوقت پادری جان بامس گھبرائے ہوئے آئے اور یہ کہا کہ ہماری دو کتابیں ہ گئیں۔ حاضران جلسہ نے کہا پادری صاحب ایسے کیوں گھبرا گئے تیرے کہ کتابیں بھی چھوڑ گئے۔ الغرض مولوی صاحب بعد انفرار دہاں پہلے اور لوگوں کی چال تھا کہ کوئی واہ واہ کہتا جاتا تھا کوئی سلام کرتا تھا۔ راقم الحروف نے دیکھا کہ اسوقت بعض ہندوؤں نے یہ کہا کہ واہ مولوی صاحب۔ اور بعض ہندو آتے تھے اور مولوی صاحب کو سلام کرتے تھے بالکل

اہل اسلام کا غلبہ اس وقت رب کے نزدیک آشکارا تھا۔ اسکے بعد دیکھا کہ پادریوں نے چلنے کی طیاری کر دی۔ اور وعدہ وعظ جو چار بجے پر نہیں تھا وفا نہ کیا اور صہر نہ ٹٹ صاحب اندیشی اندر من حساب چاند پور کو چل دیے اسلئے مجبوری اہل اسلام نے بھی قصہ روانگی کیا۔ کیونکہ بھیس نے کی ضرورت نہ رہی اور جنگل میں ہر قسم کی تکلیف تھی۔ بارش اولوں وغیرہ کا اندیشہ تھا پھر کسلے وہاں ہ کر تکلیف اٹھاتے۔ کچھ دن ہے وہاں سے روانہ ہوئے اور حسب خواہش مولوی محمد طاہر صاحب اُن کے مکان پر فروکش ہوئے مگر وہ اُن کی حمان نوازی اور دلجوئی اس وقت آنکھوں میں پھرتی ہر صبح کو مولوی محمد علی صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب پاس پاس بیٹھے ہوئے تھے جو ایک صاحب تشریف لائے گو نام اُن کا راقم کو معلوم نہیں پر اہل اسلام میں سے تھے اور کیفیت ملاقات سے یوں معلوم ہوا کہ مولوی محمد علی صاحب کسی قسم کا سابقہ اور رابطہ تھا چونکہ چاند پور کے میلے ہی کا افسانہ ہو رہا تھا تو انہوں نے بھی فرمایا کہ منصف صاحب ماتے تھے اول روز میں بھی اس وقت پہنچ گیا تھا۔ جس وقت مولوی محمد قاسم صاحب نبوت کے متعلق تقریر کر رہے تھے وہ تقریر مجھ کو نہایت ہی درجہ پسند آئی اسکے بعد مولوی صاحب نے پادری صاحب کو تو ایسا ذلیل کیا کہ غیرت ہو تو منہ نہ دکھائیں۔ اور مجھ کو بڑا تعجب آتا ہوا کہ مولوی صاحب کی اور میری ملاقات کبھی نہیں ہوئی پھر نہ معلوم انہوں نے کس طرح مجھ کو پہچان لیا جو بار بار میری طرف اشارہ کر کے یوں کہتے تھے کہ منصف صاحب ہی ہمارے حکم ہے اور شاید اسی روز پادری اسکاٹ صاحب مولوی عبد الحمید صاحب کو بازار میں مل گئے۔ مولوی صاحب بیان ہو کہ میں نے پادری صاحب سے کہا اپنے وقت تقریر کوئی بات ایسی نہ کہی جو معقول ہوتی۔ پادری صاحب نے فرمایا مجھ کو موقع نہ ملا اسکے بعد جناب مولوی محمد قاسم صاحب کی نسبت تو یہ فرمایا کہ مولوی صاحب مولوی نہیں صوفی مولوی ہیں اور اس قسم کا علم اہل اسلام میں نہیں ہا۔ اور پھر یہ کہا کہ کوئی شخص آیات میں اہل اسلام کا ہم پایہ نہیں۔ اسی روز یہ بھی ہوا کہ غالباً مولوی محمد قاسم صاحب نے مولوی محمد علی صاحب سے عرض کیا کیا کیئے منشی اندر من کی اور آپ کی گفتگو نہ ہوئی وہ کچھ بوسے ہی نہیں۔ یہ ارمان دل کا دل ہی میں ہا اگر

آپ فرمائیں تو مولوی محمد طاہر صاحب کی معرفت انکو ایک خط اس مضمون کا لکھا جائے۔ مولوی محمد علی صاحب نے فرمایا میں تو ایک بڑی مسئلہ میں یعنی قدم عالم میں کچھ مختصر گفتگو شروع بھی کی تھی اور یہ مسئلہ ایک بڑا مسئلہ منہج عقاید لالہ اندرین ہر اسی پر بنا رہتا ہے جو انکے نزدیک منہج عقاید ضروری ہے مگر وہ ایسے خاموش بیٹھے ہیں کہ کھڑی بھی نہ ہوئے اور پندت دیا نند صاحب کی تقریر بھی بطلان قدم عالم اور بطلان اقوال لالہ اندرین مندرجہ کتاب تحفۃ الاسلام وغیرہ ظاہر تھا پس اب ان سے مباحثہ کی کیا ضرورت ہے۔ اور اگر آپ کو منظور ہے تو میں شاہجہانپور میں ٹھہرا ہوا ہوں آخر لالہ اندرین بھی اسی مراد آباد کو جائینگے آپ انکو لکھ بھیجے۔ چنانچہ مولوی محمد طاہر صاحب نے انکو لکھا کہ آپ براہ کرم بہتری پتہ دیا نند صاحب تشریف لاکر قبول دعوت کے مہون منت فرمائیں۔ اس تقریب میں آپ کے اور مولوی محمد علی صاحب کے مباحثہ کا بھی جلسہ ہو جائیگا۔ مگر انہوں نے شاہجہانپور کے انکار کیا اور چونکہ صاف انکار اپنی تہی تھی تو یہ لکھا کہ آپ ہی مولوی صاحب کو لیکر یہاں تشریف لے آئیں اس پر مولوی محمد طاہر صاحب نے بشارتہ مولوی محمد قاسم صاحب صاحب مولوی محمد علی صاحب پھر مکر لکھا کہ جھگل میں موز ناچا کسے دیکھا وہاں کا مجمع برخاست ہو گیا اب وہاں کون ہے جو مباحثہ کا نصف اٹھائیگا۔ آپ فرماتے تو تھے ہی کہ ایک دو روز میں شاہجہانپور ہو کر مراد آباد جاؤ گا اگر اتنا راہ میں جلسہ اور ہو جاؤ تو رہے اولی یہاں بوجہ شہرت مجمع بھی کشید ہو جائیگا مگر انہوں نے پھر بھی انکار ہی کیا اور یہ کہا کہ میں آپ کے مکان پر نہیں آتا ہاں اگر منشی گنگا پرشاد دعوتے جنگی تبدیلی عہدہ ڈپٹی کلکٹری پر مقام شاہجہانپور ہوگی ہی تو انکے مکان پر میں آ سکتا تھا خیر یہاں نہیں مراد آباد میں میری اور مولوی محمد علی صاحب کی گفتگو ہو جائیگی۔ اس انکار مکر کو سنکر دیوبند میرٹھ۔ دلی خوجہ وغیرہ مقامات کے رہنے والے صاحب جو شوق مباحثہ میں آتے تھے اور اس چھیڑ چھاڑ کو سنکر ٹھہر گئے تھے چلے گئے مگر ہاں اس انتشار میں بعض صاحبوں نے مولوی محمد قاسم صاحب سے یہ کہا کہ آپ نے پندت صفا کے مقابلہ میں جب انہوں نے بہشت کی نسبت یہ فرمایا تھا کہ کوئی شخص ہمیں بتلائے تو سہی بہشت کہاں ہے یہ فرمایا تھا کہ اگر ہکو وقت ملیگا تو ہم آپ کو بتلا دیں گے سو اس وقت تو بوجہ جنگی وقت اس کے

لے منشی صاحب کا یہ عذر ایک جیلہ ہی جیلہ تھا۔ جانتے تھے کہ ڈپٹی گنگا پرشاد صاحب کے لئے میں دیر ہے۔

بیان کا اتفاق نہ ہوا اور اسوجہ دل میں ارمان ہ گئے اب یہ عرض ہو گا اگر آپ بیان فرماتے تو کیا فرماتے۔ اسوقت مولوی صاحب نے فرمایا لیجئے اب سن لیجئے۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں لذتیں خالی تکلیف سے نہیں اور تکلیفیں خالی احتوں سے نہیں۔ منافع خالی مضرتوں سے نہیں اور مضرتیں خالی منفعتوں سے نہیں کھانا پانی ہر چند سامان راحت اور نفع کی چیز ہو مگر اسکے ساتھ پاخانہ پیشاب کی خرابی اور امراض کے نقصان ایسے کچھ ہیں کہ کیا کہیے اور کڑوی دوائیں اور فصد اور قطع برید جراح اگرچہ دُستِ سرتا تکلیف ہو مگر انجام کار کسی کسی راحتیں اُنکے ساتھ لگی ہوئی ہیں اسباتکے دیکھنے کی یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیزیں کثیت آرام و تکلیف و نفع و ضرر ایسے ہیں جیسے باعتبار گرمی و سردی خشکی و ترری مزاج مرکبات عنصری معلوم ہوتا ہو یعنی یہ وہاں اشیا متضادہ کے اجتماع سے ایک مزاج مرکب حاصل ہو جاتا ہو۔ ایسے ہی یہاں بھی سمجھئے۔ مرکبات عنصری کی ترکیب میں اگر معلوم ہوتی ہو تو ایسی بات معلوم ہوتی ہو کہ گرمی سردی خشکی ترری ساری باتیں مرکبات مذکورہ میں معلوم ہوتی ہیں نہ ترکیب کرتے ہوئے کسے خدا تعالیٰ کو دیکھا ہو جب ہم اپنے بدن میں دیکھتے ہیں کہ قلیل و کثیر یوست ہو تو یہ سمجھ میں آتا ہو کہ ہمارے بدن میں جزو خاکی ہو ورنہ اس یوست کی اور کیا صورت تھی۔ کیونکہ یوست خاصہ خاک ہی سو اس کے اور کسی چیز میں یہ بات نہیں ہونو جزو خاکی کی یہ تاثیر ہے کہ ہمارے بدن میں یوست پائی جاتی ہو اسیدِ طبع و طوبت بھی کسی قدر نہ کسی قدر اپنے بدن میں موجود ہو اور وہ خاصہ آب ہو اسلئے یہ بات واجب التسلیم ہو کہ ہمارے بدن میں لاریب جزائی ہوگا علیٰ ہذا القیاس ہوا اور آگ کا سراغ کل آتا ہے مگر یہ بھی ظاہر ہو کہ جیسے یوست اور طوبت باہم ضد یکدگر ہیں اور آب خاک اسبات میں مخالف یکدگر ہیں ایسے ہی معدنِ احتِ کچھ اور ہوگا اور مخزنِ تکلیف کچھ اور ہوگا جیسے مرکبات عنصریہ باعتبار کمی بیشی بطوبت و یوست حرارت و برودت مختلف ہیں اور اسکی یہ وجہ ہو کہ کسی میں خاک زیادہ ہو تو کسی میں پانی زیادہ ہو اسلئے باغبار و راحت و تکلیف کے مرکبات کو خیال فرمائیے کہ اُنکے اصول بھی اسلئے جب جیسے ہونگے انہیں میں ہو یلو اگر سامانہائے آرام و تکلیف کو بنایا ہوگا اور اُن اصول میں ایک ایک بات کے سوا

اسی طرح اور کچھ ہوگا جیسے آب خالص طوبت بیوست میں ایک ایک ہی چیز دوسری چیز نہیں۔  
 اس صورت میں ایک ایسا مقام اور طبقہ ماننا پڑے گا کہ جہاں فقط آرام ہو تکلیف صلا نہ ہو ہم سب کو بہشت  
 کہتے ہیں۔ بہشت آج کل کے نام سے جانتے ہیں۔ اور ایک ایسا مقام اور طبقہ ہوگا کہ جہاں فقط تکلیف  
 ہی تکلیف ہوگی آرام کا نام وہاں ہوگا ہم اس کو دوزخ کہتے ہیں۔ بالکل جیسے طوبت بیوست وغیرہ  
 کیفیات جسمانی کیلئے ایک جدی جدی اصل اور جدا جدا طبقہ ماننا لازم ہے اسی طرح آرام و تکلیف  
 کیلئے بھی جدی جدی اصل اور جدا جدا طبقہ ماننا لازم ہے۔ یہ بات کہ وہ کہاں ہیں اور کدھر ہیں  
 یہ سوال از روئے عقل قابل اشعار نہیں۔ موجود ہونیکے لئے یہ لازم نہیں کہ ہم کو معلوم ہی ہو کہ  
 خود اس زمین میں ہزار ہا مقامات اور اشیا ایسی ہیں کہ ہم کو معلوم نہیں۔ اگر زمین اور آسمان کے  
 اندر ہو اور ہم کو معلوم نہ ہو تو کیا محال ہو اور ہو اور زمین اور آسمان کے باہر ہو تو کیا ممکن ہے اور  
 اسی تقریر کی مانند وجہ ثبوت شیطان و ملائکہ بھی مولوی صاحب بیان کر گئے تفصیل اسکی یہ ہے کہ  
 آدمی کی رغبت اور توجہ ہر دم فقط نیکی یا بدی ہی کی طرف نہیں ہتی کسی آدمی کا دل نیکی کی طرف  
 راغب ہے تو کسی بدی کی طرف مائل ہے۔ اس اختلاف رغبت و میلان ہی صاف ظاہر ہے کہ ترکیب  
 روحانی جنک ایسے دو جزدوں سے ہوتی ہے جو باہم متضاد ہیں نہ ایک کے کو ایسی دو مختلف کیفیتوں  
 کا پیدا ہونا ایسا ہی محال ہے جیسے ایک عنصر خاکی یا آبی سے مثلاً بیوست و طوبت دو نو کا پیدا ہونا  
 محال ہے وہاں اسکی ضرورت ہو اگر یہ دو کیفیتیں کہیں مجتمع ہو جائیں تو دو عنصر نہ کہ ضرور ہی  
 مجتمع ہونگے ایسے ہی یہاں بھی خیال فرمائیے پھر جیسے وہاں ہر ایک کیلئے ایک جدا طبقہ ہی  
 ایسے ہی یہاں بھی ہر ایک کے لئے ایک جدا ہی طبقہ ہوگا جیسے ہاں ہر طبقہ میں ایک ہی خاصیت کیفیت  
 ہو ایسے ہی یہاں بھی ہوگا اسلئے یہ بات خواہ مخواہ ماننی پڑے گی کہ ایک گروہ تو مخلوقات میں ایسا ہوگا  
 کہ انکی خاصیت اصلی بھلائی اور نیکی کی طرف رغبت ہوگی یوں جیسے بوجہ برف پانی میں بیوست آجاتی  
 ہو انہیں بھی اگر بوجہ خارجی برائی کی طرف رغبت آجائے تو آجائے اور ایک گروہ تو مخلوقات میں ایسا ہوگا  
 انکی خاصیت اصلی برائی کی طرف رغبت ہوگی جیسے خاک میں بوجہ آب و طوبت آجاتی ہو اگر بوجہ خارجی

بھلائی کی طرف رغبت ہو جائے تو ہو جائے پہلے گرو کو ہم مانگے کہ تو میں اور وہ گروہ کو ہم شیاطین کہتے ہیں جس میں مزاج  
مرکبات عنصر میں اور خارجی ہو فرق آجاتا اور ایک خلط کا غلبہ ہو جاتا ہے چنانچہ ایسے گرم غذاؤں اور  
دواؤں کے کھانے سے گرمی اور سو غذاؤں اور دواؤں کے کھانے سے سردی پیدا ہو جاتی ہے اور مزاج اصلی میں تغیر  
آجاتا ہو ایسے ہی یہاں بھی بوجہ اور خارجی رغبت قلبی میں تغیر رنگا یوں آئیگا۔ بالکل ملا کہ وہ شیاطین کا وجود  
ہی میاں تک سو قلم لوی صاحب نے بیان کیا اسکے بعد مولانا صاحب کی اور تقریریں اسباب میں معلوم ہوئیں  
انکو بھی درج اوراق کیا جاتا ہے اسلئے یہ گزارش ہے کہ اس تقریر سے تو نقطہ ثبوت شیاطین ملا کہ اور ثبوت بنت  
ودفع معلوم ہوا اور بعد معلوم ہو جائیکے پھر یہ کہنا کہ اگر شیطان کو ماننے تو یہ معنی ہونگے کہ گویا خداوند علم  
نے اپنے ملک میں ایک قزاق اپنی طرف سے چھڑ دیا ایسا ہی ہوگا کہ گویا پانی آگ ہوا وغیرہ نقصان کو خیال  
کر کے کوئی شخص باوجود دلالت طوبیہ گری وغیرہ کہوئے کہ اگر جسم انسانی میں آگ ہو تو یوں کہو خدائے ایسا کیا  
کہ کوئی شخص اپنے آپ چھپرنا کر اور پھر آپ ہی اس میں آگ بھی لگا دے۔ یہ قرین عقل ہے نہ وہ قرین قیاس  
الحاصل جیسے باوجود دلالت آثار وجود عناصر میں بوجہ مذکور مائل کرنا عقل کا کام نہیں ایسے ہی باوجود  
دلالت آثار و اشارات الیہ وجود شیاطین میں بوجہ مذکور مائل ہونا عقل سے دور ہے جیسے ترکیب انسانی عناصر متضادہ  
سے بدلات فطرت سلیمہ سلمہ ہے کہ اس ترکیب کے ایک عمدہ نتیجہ پیدا ہوا جسکو مزاج کہتے ہیں اور جسکے وسیلہ  
سے ہزاروں آثار عجیبہ نمایاں ہو جو حیوانات میں مشہور ہوتے ہیں ایسے ہی ترکیب عالم میں شیاطین ملا کہ وغیرہ  
کا ہونا بیشک ایسے عمدہ نتائج پیدا کرے گا کہ کیا کہیے اور کیوں ہو حسن جمال میں بھلی بری دونوں قسم کی  
چیزیں ملتی ہیں مکان عمدہ ہی ہو جس میں پاخانہ بھی ہو یہی نہیں کہ سوائے پاخانہ اور سب چیزیں ہوا  
کریں اور پاخانہ نہ ہو حالانکہ پاخانہ کا برا ہونا ایسا نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو آدمی خوبصورت وہی ہے  
جس میں مکھنہ ناک خساک کے ساتھ ابرو و ٹرکان زلف و خط و خال اور ہر اور زلف  
و ٹرکان کی بدشکلی انکے رنگ سے ظاہر ہو۔ اگر پاخانہ نہ ہو تو مکان ناقص ہو اور خط و زلف و خال و ابرو و  
ٹرکان ہو تو آدمی کا جمال تام ہے جب ایسی ہی ذرا ذرا سی چیزیں اس اجتماع کی ضرورت ہوتی ہے ایسے ہی  
کارخانے حسن جمال کیلئے جو عالم و جہان کہتے ہیں کہ یہ جو اس اجتماع کی ضرورت ہونگی اور میں تو یہ بیان عالم

میں کہاں سے آئیں اور تیکھیں کیونکہ انہر مونیں۔ انقصہ علم میں بڑا بھلا آرام تکلیف سب نے چاہیں اور  
 بدالالت آنا پہلے یہ بات ثابت ہو چکی کہ واقعی موجود ہیں تو پھر اس قسم کے اعتراض جیسے پنڈت صاحب  
 پادری صاحب پر کئے تھے بیشک اہل عقل و انصاف کے نزدیک صحیح نہ ہونگے۔ اب اور سنیے شاہجہانپور کا تعلق  
 میں مولوی صاحب انکے رفتار کو نکلنے کا اتفاق ہوا تو ہندو دودکا نذر وکی بھی انگلیاں اٹھتی تھیں سکو  
 بعد ضلع سہارنپور میں بعض صاحب دہاں سے پھر کر آخر تو مولوی ذوالفقار علی صاحب پٹی اسپیکٹر دہاں سے سرکاری  
 ضلع سہارنپور ساکن مولوی بند نے اُن سے فرمایا کہ ایک صاحب سکھراج نام ساکن سہارنپور میں انکو بھی اس قسم  
 کی تحقیقات کا شوق ہے۔ منشی پیار لال صاحب نے انکی خط و کتابت بھی لکھی اور اس دفعہ وہ خود بھی اس سلیہ  
 میں تشریف لینگئے تھے۔ بعد مراجعت میری انکی ملاقات ہوئی تو انہوں نے بھی سیاسی بیان کیا جیسا اہل  
 اسلام نے کر بیان کیا تھا بلکہ اسکے ساتھ یہ بھی بیان کیا کہ ایمو نوید صاحب قاسم علی نام اسید طرف کے تھے  
 نہ کہ حال کیا بیان کیجئے انکے پیر تو علم کی سستی بول ہی تھی مولوی صاحب کے فرامیے معلوم ہوا کہ سرتی زبان سیکرت  
 میں علم کی بی کوکتے میں علی ذوالقیاس بعض صاحب مدرس واقعہ کے ملے تو اُن سے معلوم ہوا کہ وہ بھی لکھن شاہجہانپور  
 میں میلا میں بھی تشریف لینگئے تھے انکو یا انکے بعض تلامذہ کی یلہ کی برخاستگی ہو گئے روزانہ اتفاق ہوا وہ  
 ہندو گنوار جوئے کو کہتے ہوئے سنا کہ چھان بیتے۔ چونکہ شاہجہانپور میں اہل اسلام اکثر چھان بیتے ہیں  
 چنانچہ سب سے دوسرے چھانوں کا مشہور ہوا تو وہ دگنوار سب ہی اہل اسلام کو جو میلہ میں آئے چھان  
 سمجھتے تھے۔ فقط ۱۰ اب تمام اتم حروف یہ کہ کمترین نے تاحقہ وصل حال میں کی پیشی نہیں کی۔  
 اسی وجہ بات ایسی تھی کہ کسی تقریر کو مستنبط ہونی تھی یا اسکے مناسب تھی پر اُسکے ذکر کی نوبت نہ آتی تھی  
 اسکو ماشیہ پر لکھ دیا ہو۔ البتہ اسوقت کے الفاظ یا وہ نہیں ہو اور نہ بہت سے مضامین کی ترتیب پر  
 اطمینان ہو سکتا ہو عجب نہیں کہ تقدیم تاخیر ہو گئی ہو اطلاع ماعض کر دیا تاکہ کسی صاحب کو ادھر کچھ احتمال  
 نہ ہو مگر دہاں یہ جو کچھ عرض کیا ہو میں خدا کوئی بات زیادہ یاد نہیں کی۔ و آخر دعوانا ان  
 الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر النہ محمد وآلہ وصحبہ اہل بیتہ وازواجہم جمعین











